مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۱ | ربیع الاول ۱۴۴۲ھ | نومبر ۲۰۲۰ء | شمارہ ۱۰

الاتمام لنعمۃ الاسلام

خصوصیات اسلام۔ حصہ اوّل

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ = /۴۰ روپے
زر سالانہ = /۴۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۲۰/۱۳ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور

35422213
35433049
پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

الاتمام لنعمۃ الاسلام

(خصوصیات اسلام۔ حصہ اوّل)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے اب سے سو سال قبل یہ وعظ قصبہ ریواڑی میں مولوی عبدالرحیم صاحب کے مکان پر کرسی پر بیٹھ کر بروز بدھ ۲۰ شوال ۱۳۴۱ھ کو ارشاد فرمایا۔ تین گھنٹے ۲۵ منٹ تک بیان جاری رہا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی۔ وعظ میں اسلام کی خوبیوں کو بیان کیا گیا ہے اور غیر مسلموں کے طور طریق سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے مذکورہ آیت پر اسی نام سے دو وعظ اور ہیں جن کو اس کے بعد طبع کیا جائے گا۔ مولوی اطہر علی صاحب سلہٹی رحمہ اللہ نے اسے قلمبند فرمایا۔

یہ وعظ جن کے گھر میں بیان کیا گیا اور جنہوں نے قلم بند فرمایا اللہ تعالیٰ ان کے لیے اس کو صدقہ جاریہ بنائے اور تمام قارئین کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

یہ وعظ کافی طویل تھا اس لیے گزشتہ شمارہ میں نصف چھپا تھا جس کا اخر عنوان ''نور اسلام'' تھا آخری سطر تھی اسلام اول سے آخر تک نور ہی نور ہے۔ اس کی جس ادا کو دیکھو دلکش ہے، جس حکم کو دیکھو دلربا ہے۔

خلیل احمد تھانوی

بروز منگل ۶۔ ذی الحجہ ۱۴۴۱ھ

الاتمام لنعمۃ الاسلام

(خصوصیات اسلام) حصہ اوّل

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	اسلام کی ادنیٰ جھلک	۷
۲	حضرت تھانویؒ کی احتیاط	۸
۳	مسلمان اور حقوق انسانی	۹
۴	سختی کرنے میں حکمت	۱۰
۵	تبلیغ اور سوال	۱۱
۶	سوال اور ترغیب میں فرق	۱۱
۷	اشکال کا جواب	۱۴
۸	چندہ کرنے میں بے احتیاطی	۱۴
۹	حضرت تھانویؒ کی احتیاط	۱۵
۱۰	لطیفہ	۱۷
۱۱	مانگنے اور چندہ کرنے میں فرق	۱۷
۱۲	حضرت تھانویؒ کا اصلاحی خطاب	۱۸
۱۳	بھلے بُرے میں تمیز	۱۹
۱۴	مسلمانوں کا حال	۲۰
۱۵	آداب تبلیغ	۲۱
۱۶	آیت کی تفسیر دوم	۲۳
۱۷	تعلیم خداوندی میں اعتدال	۲۴
۱۸	شبہ کا جواب	۲۵
۱۹	مرض کا علاج	۲۷
۲۰	مقصود تبلیغ	۲۷

۲۱.....	تبلیغ میں دو نیتیں.....	۲۸
۲۲.....	قانون اسلام کی رعایت.....	۲۹
۲۳.....	اسلام کی خوبی.....	۳۰
۲۴.....	اسلام کی خوبیوں کی ناقدری کرنے میں ہماری مثال.....	۳۲
۲۵.....	مفاسدِ چندہ.....	۳۳
۲۶.....	مبلغین کی اعانت کا طریقہ.....	۳۴
۲۷.....	نااہل مبلغ.....	۳۵
۲۸.....	ترجمہ وتفسیر آیت.....	۳۶
۲۹.....	حقیقت عید.....	۳۷
۳۰.....	حقیقت آخر.....	۳۸
۳۱.....	اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرو.....	۳۹
۳۲.....	دنیا کب فنا ہوگی.....	۴۱
۳۳.....	اثبات احکام.....	۴۲
۳۴.....	شبہ کا جواب.....	۴۳
۳۵.....	ازالہ وہم.....	۴۳
۳۶.....	دوسرے شبہ کا جواب.....	۴۵
۳۷.....	علمی نکتہ.....	۴۵
۳۸.....	حضرت تھانویؒ کا جواب.....	۴۷
۳۹.....	اشکال وجواب.....	۴۷
۴۰.....	حاصل آیت.....	۴۹
۴۱.....	اخبار الجامعہ.....	۵۰

(گزشتہ وعظ اس عبارت پر ختم ہوا تھا۔ اسلام اول سے آخر تک نور ہی نور ہے۔ اس کی جس ادا کو دیکھو دلکش ہے، جس حکم کو دیکھو دلربا ہے)۔

اسلام کی ادنیٰ جھلک

اسی قصہ کا بقیہ یہ ہے کہ میں اس مرتبہ سہارنپور جارہا تھا۔ اس وقت مجھے لکھنؤ جانا تھا۔ جب میں تھانہ بھون کے اسٹیشن پر ریل میں سوار ہوا تو ایک مولوی صاحب نووارد اسی گاڑی سے اترے، وہ اس وقت دہلی سے مجھ سے ملنے کے لیے آئے تھے مجھ کو اطلاع کی میں نے کہا اب تو میں سفر میں جارہا ہوں۔ اگر تمہارا جی چاہے تو سہارنپور تک چلو، وہاں تک باتیں ہوتی رہیں گی۔ ٹکٹ لے لو وقت کم رہ گیا تھا ٹکٹ نہیں مل سکا۔ انہوں نے گارڈ سے کہہ دیا اور سوار ہوگئے، جب نانوتہ کا اسٹیشن آیا، یہ تھانہ بھون سے آگے ہے، میں نے ان سے کہا کہ اب گارڈ کے پاس جاؤ، اور اسے پیسہ دے کر رسید لے لو اور آگے کا ٹکٹ لے لو جب وہ گارڈ کے پاس گئے تو اس نے کہا تھانہ بھون تک کا ہم نے معاف کردیا اور نانوتہ سے سہارنپور کا ٹکٹ دلوادیا۔ جب میرے پاس آئے اور یہ قصہ بیان کیا۔ میں نے کہا یہ تو ناجائز ہے۔ گارڈ گاڑی کا مالک نہیں وہ خود مولوی تھے، مگر اس وقت ان کو خیال نہ ہوا۔ اور افسوس تو یہ ہے کہ آج کل بعضے بعضے اہل علم عمداً بلا کرایہ ریل میں سفر کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ مجھے تو اس کو نقل کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے کہ ایسے کھلم کھلا ناجائز فتاویٰ دینے لگے۔ غرض میں نے کہا گارڈ کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوا کیونکہ گارڈ مالک نہیں ہے بلکہ ریلوے کمپنی کا نوکر ہے اس کو معاف کرنے کا حق نہیں ہے۔ تمہارے ذمہ اتنے پیسے فرض ہیں جو شرعاً واجب الادا ہیں۔ مگر اب یہ تو امید نہیں کہ گارڈ سے رسید مل سکے۔ تم یہ کرو کہ بعد میں ایک ٹکٹ اتنے داموں کا خرید لو اور اس کو تلف کردو۔ اس طرح محکمہ میں کرایہ پہنچ جائے گا۔ اس وقت ایک انگریزی خواں ہندو آریہ اس گاڑی میں تھا جو بڑا لیکچرار تھا وہ اول سے آخر تک اس واقعہ کو دیکھ رہا تھا میری تقریر سن کر بے ساختہ جوش میں آکر کہنے لگا کہ جناب میں اپنی اخلاقی کمزوری بیان کرتا ہوں کہ جب ان سے گارڈ نے کہا کہ نانوتہ تک کا کرایہ ہم نے معاف کیا،

اس وقت میں بہت خوش ہوا کہ ایک غریب آدمی کا کام بن گیا۔ مگر اب معلوم ہوا کہ میں بے ایمانی پر خوش ہوا تھا، دغابازی پر مجھے مسرت ہوئی تھی۔ واقعی بات وہی ہے جو آپ نے فرمائی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تو ایک چھوٹی سی بات تھی، یہ تو اسلام کی ادنیٰ جھلک ہے۔ اگر اہل انصاف ہمارے پاس چند روز رہیں تو ان کو اسلام کی بڑی بڑی خوبیاں معلوم ہوں گی۔

حضرت تھانویؒ کی احتیاط

دیکھئے ایک چھوٹی سی بات ہے کہ میرے پاس بہت سے خطوط ایسے آتے ہیں کہ ان کی ٹکٹوں پر مہر نہیں ہوتی۔ بالکل سالم ہوتے ہیں، کوئی دھبہ ان پر نہیں ہوتا۔ ان سے دوبارہ کام لینا بہت آسان تھا۔ کسی کو پتہ بھی نہ لگتا۔ مگر چونکہ شریعت میں یہ جائز نہیں اس لیے میں اکثر خط پڑھنے سے پہلے ان ٹکٹوں کو چاک کر دیتا ہوں پھر خط پڑھتا ہوں کیونکہ یہ دراصل رسید ہے ان پیسوں کی جن کو دے کر ہم نے محکمہ ڈاک سے اپنا کام لینا چاہا ہے۔ حقیقت میں یہ اجرت ہے یعنی پیشگی ادا کردہ محصول کی رسید ہے جیسے ریل کا ٹکٹ۔ تو اب دوبارہ اس سے نفع اٹھانا جائز نہیں، کیونکہ جتنے کام کی یہ رسید تھی اتنا کام تو آپ نے ڈاک سے لے لیا ہے اب اگر دوسرا کام لینا ہو تو دوسرا ٹکٹ خریدنا پڑے گا اس سے نفع لینا حرام ہوگا، تو ایسا بہت ہوتا ہے کہ بعض خطوط کے ٹکٹ مہر سے بالکل سالم ہوتے ہیں اور خطوط میرے پاس اکثر ایسے وقت آتے ہیں کہ سوائے خدا کے کسی کو علم نہیں ہوتا اور اگر کوئی میرے پاس دوستوں میں سے ہوا بھی تب بھی کیا میری ڈاک کو کوئی جھانکتا ہے کہ دیکھوں کون سا ٹکٹ سالم ہے اور کونسا نہیں۔

پس میں اگر ان ٹکٹوں سے کام لینا چاہتا تو اچھی طرح لے سکتا تھا۔ مگر میں الحمدللہ ان کو اول ہی پھاڑ دیتا ہوں۔ تو یہاں ہم کو کس چیز نے مجبور کیا۔ صرف اسلام نے مجبور کیا۔ ورنہ ہم کو کوئی قوت روکنے والی نہ تھی۔ اس وقت نہ کوئی پولیس تھی نہ کوئی پہرہ تھا۔ غرض اسلام کا ہر پہلو نہایت مکمل ہے جس نے اسلام کو مکمل کیا اور اس کو کامل طور پر سمجھا ہے۔ ممکن نہیں کہ اس کے احکام میں گڑبڑ کرے ممکن نہیں کہ ایسا شخص ریل میں پندرہ سیر کی جگہ سولہ سیر لے جائے اور بلا کرایہ سفر کرنا تو الگ رہا۔ اور جب تک کسی کے دل

میں اسلام نے گھر نہ کیا ہو اسلام سے پوری محبت نہ ہوئی ہو، اس وقت تک یہ حال ہوتا ہے کہ پلیٹ فارم پر کھڑے ہوکر تو بڑے لمبے چوڑے لیکچر دیتے ہیں اور عمل ایک پر نہیں۔ تقریر خوب رونق دار ہے اور عمل میں اندھیرا۔

مسلمان اور حقوق انسانی

حضرت! اسلام ایسی چیز ہے کہ مسلمان انسانی حقوق تو کیا ضائع کرتا وہ تو حیوانات پر بھی رحم کرتا ہے۔ ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ انہوں نے سفر میں ایک دوکاندار سے شکر خریدی اور کپڑے میں باندھ لی۔ گھر جا کر کھولا تو اس میں ایک چیونٹی نظر آئی یہ دیکھ کر آپ کو بے حد قلق ہوا کہ نہ معلوم بیچاری اپنے کس کس عزیز سے الگ ہوئی ہوگی، اس کا دل ان کی جدائی سے تڑپتا ہوگا۔ آخر اسی طرح کپڑا باندھ کر پھر سفر کر کے جہاں سے شکر لائے تھے وہیں لاکر اسی دوکان پر کپڑا کھولا اور چیونٹی کو اس کے مستقر پر پہنچایا۔ تو دیکھئے اتنی ہمدردی، یہ اثر ہے تعلیم اسلام کا کہ انسان تو انسان حیوان پر بھی اسلام ہمدردی کرتا ہے۔ اتنا ترحم ہے اسلام میں کہ حیوانات کے بھی حقوق مقرر کئے ہیں۔ ان پر بھی ظلم وستم کو جائز نہیں رکھا۔ اس کے متعلق بھی بہت سے احکام ہیں۔ چنانچہ اس میں کتابیں لکھیں گئی ہیں۔ میں نے بھی ایک رسالہ لکھا ہے اس کا نام ہے ارشاد الھائم فی حقوق البھائم۔ اس میں بتلایا ہے کہ حیوانات کے حقوق کیا ہیں اور کیا برتاؤ ان سے کرنا چاہیے۔ اور ہر حکم حدیث سے ثابت کیا ہے اپنی طرف سے نہیں لکھا۔ تو جس اسلام نے جانور پر بھی رحم کیا ہے، کیا وہ انسان پر رحم نہ کریگا۔ ضرور کریگا، اب اگر کسی حکم میں کسی کو جبر وتشدد کا شبہ ہو تو چونکہ وہ ایسے اسلام کے حکم سے ہوا ہے جس میں اتنا رحم ہے تو وہ واقع میں جبر وتشدد نہیں ہے ضرور اس میں کوئی عظیم مصلحت ہوگی۔ مگر حقیقت میں جس کی وجہ سے وہ جبر عین رحمت ومصلحت ہے اس وقت وہ مصلحت اسی کو مقتضی ہے اس کو ہر شخص اپنے معاملات میں غور کر کے سمجھ سکتا ہے کہ بعض دفعہ ہم ضرورت کی وجہ سے اولاد تک کے ساتھ سختی کرتے ہیں اور مجبوراً کرنا پڑتی ہے بدون اس کے کام نہیں چلتا۔ یعنی دوسرے کی اصلاح بدوں اس کے نہیں ہوتی۔

سختی کرنے میں حکمت

چنانچہ میں جب کسی پر ظاہراً تشدد(۱) کرتا ہوں مجبور ہوکر کرنا پڑتا ہے، مگر ساتھ ہی دل پگھلا جاتا ہے، جگر ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے۔ مگر کیا کروں ضرورت شرعی ہوتی ہے۔ اس لیے تشدد کرنا پڑتا ہے اور اس کا حکم شرعی ہونا دلائل سے ثابت ہوتا ہے نصوص اس کے لیے موجود ہیں۔ تو واقع میں یہ سختی رحم کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ہر چیز کا موقع ہے، رحم کی جگہ رحم کرنا پڑتا ہے اور سختی کی جگہ سختی۔ بلکہ سختی کی جگہ رحم کرنا خود بے رحمی ہے، جیسے کسی کے دنبل ہو جس میں نشتر کی ضرورت ہے۔ مگر ڈاکٹر رحم کی وجہ سے نشتر نہیں دیتا بلکہ مرہم پٹی کئے جاتا ہے۔ تو کیا اس کو رحم کہا جائے گا۔ ہرگز نہیں، تو معلوم ہوا کہ مطلق تشدد بے رحمی نہیں ہے۔ اگر مطلق تشدد بے رحمی ہو تو نعوذ باللہ نعوذ باللہ کیا اللہ میاں کو بے رحم کوئی کہہ سکے گا، کیونکہ وہ تو کروڑوں کو مارتے ہیں، ہلاک کرتے ہیں، بیمار کردیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ بعض جگہ تشدد بھی رحم کے خلاف نہیں۔ اگر اس کو نہیں مانتے تو یا تو خدا تعالیٰ کو رحیم نہ کہو گے یا ان کو محیی و ممیت نہ کہو گے، مارنا مطلقاً خلاف رحم ہے تو اللہ میاں تو روزانہ بلکہ ہر وقت مارتے رہتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ تشدد مطلقاً رحم کے خلاف نہیں، بلکہ وہ تشدد بوجہ حکمتوں کے درحقیقت رحم ہی ہے۔ اگر وہ حکمتیں تفیصلاً سمجھ میں نہ آویں تو اتنا مجملاً سمجھ لو کہ وہ حکیم اور رحیم ہیں۔ اس لیے ان کا تشدد حکمت اور رحم کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ پس اب کفار کا مسلمانوں کو بوجہ جہاد اور ذبح حیوانات کے بے رحم کہنا غلط ہوگیا۔ اگر ہمارے قلوب میں رحم نہ ہوتا تو جانور اور چیونٹی پر اتنا کیوں رحم کرتے جس کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ آخر یہ رحم نہیں تو اور کیا ہے کہ ایک چیونٹی کی پریشانی دیکھ کر بے چین ہوجاویں۔ غرض اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ ہر چیز سے ہمدردی کرو۔ دنیا بھر میں کوئی خوبی ایسی نہیں ہے جو اسلام میں نہ پائی جاتی ہو۔ اگر ہمارا اسلام کامل ہو اور یہ سب خوبیاں ہمارے اندر مشاع ہوں(۲)، پھر ہم خود ہی اوروں کو کشش کرلیں، بلانے اور دعوت دینے کی بھی چنداں ضرورت نہ رہے، مگر اب تو ہماری یہ حالت ہے کہ تقریر تو لمبی چوڑی کرنے کو تیار ہیں اور کام خاک بھی نہیں کرتے۔ حالانکہ اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ خوب کہا ہے کسی نے کام کرنا چاہیے۔ دعویٰ اور لاف زنی چھوڑنی چاہیے۔ مگر

(۱) سختی (۲) عام ہوں۔

اب کام کچھ نہیں۔ فقط نام ہی نام ہوتا ہے۔

کارکن کار بگذار از گفتار　　کاندریں راہ کار باید کار(۱)

تبلیغ اور سوال

چنانچہ جا بجا انجمنیں بھی ہیں۔ جن میں ایک صدر ہے۔ ایک سیکرٹری ہے۔ کوئی ناظم ہے اور کوئی کیا خاک بلا ہے۔ سو ان لوگوں سے کام کچھ نہیں ہوتا۔ البتہ سب سے پہلے چندہ مانگنے کو تیار ہیں۔ حالانکہ اس طرح چندہ مانگنے سے ہم کو روکا گیا ہے۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے أَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ(۲) کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ آمدنی چاہتے ہیں تو آمدنی تو آپ کے رب کے پاس سب سے بہتر ہے۔ الآیۃ اور دوسرے حضرات انبیاء علیہم السلام کا ارشاد ہے لَآ أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا(۳) کہ ہمیں تبلیغ کے معاوضہ میں مال نہیں چاہیے۔ ہم تم سے روپے پیسے نہیں مانگتے ہیں اور جہاں مال لینے کا حکم ہے مثلاً ارشاد ہے خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَوٰتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ(۴) یعنی ان کے مال سے صدقہ لے لیجئے انہیں کے تزکیہ اور تطہیر کے لیے یعنی اس میں آپ کا کوئی نفع نہیں ہے تو اگر کسی خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ الآیۃ سے شبہ چندہ کا ہو، تو اس کا شان نزول دیکھ لیجئے۔ اسی سے معلوم ہوجائے گا کہ غزوہ تبوک میں بعضوں سے کوتاہی ہوگئی تھی۔ جب ان کی توبہ قبول ہوئی تو انہوں نے کچھ مال حاضر کر کے اس کے قبول کی درخواست کی۔ اس پر یہ ارشاد ہوا سو اس سے چندہ مانگنے کا کیا تعلق کہاں اخذ اور کہاں سوال اس کے معنی تو یہ ہیں کہ اگر وہ خود لاویں تو لے لو انکار نہ کرو، اور سوال یہ ہے کہ مانگ مانگ کر لوگوں سے روپیہ جمع کیا جاوے سو دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

سوال اور ترغیب میں فرق

اگر کوئی بطیب خاطر(۵) کوئی چیز لاوے تو لے لو تو خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ سے چندہ مانگنا کیسے نکلا اللہ میاں نے تو خُذْ فرمایا ہے اسئل تو نہیں فرمایا اور چندہ تو سوال ہے نہ کہ اخذ

(۱) ''عمل کرو اور دعویٰ کو ترک کرو اس طریق میں عمل اور کام ہی کی ضرورت ہے'' (۲) سورۃ المومنون: ۷۲ (۳) سورۃ الانعام: ۹۰ (۴) سورۃ التوبہ: ۱۰۳ (۵) خوش دلی سے۔

اگر اسئل فرماتے تو تمہارا مدعا حاصل ہوجاتا۔ مگر سوال کے متعلق تو یہ آیا ہے وَإِن تُؤْمِنُوا۟ وَتَتَّقُوا۟ يُؤْتِكُمْ أُجُورَكُمْ وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ أَمْوَٰلَكُمْ (۱) اگر تم ایمان لاؤ اور خدا سے ڈرو تو اپنے پاس سے اجر دیں گے اور تم سے تمہارا مال نہیں مانگیں گے بے فکر رہو۔ آگے فرماتے ہیں۔ إِن يَسْـَٔلْكُمُوهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوا۟ وَيُخْرِجْ أَضْغَٰنَكُمْ (۲) کیونکہ اگر تم سے اصرار کے ساتھ مانگا جائے تو تم بخل کرنے لگو۔ واقعی یہ خدا ہی کا کلام ہے۔ کیونکہ وہ تو تمہارے رگ پٹھے سے واقف ہیں۔ میں تو کہتا ہوں اگر یہ رسول کا بھی کلام محض رائے سے ہوتا تو اس میں اتنی گہری گہری باتیں نہ ہوتیں۔ فرماتے ہیں ہم تم سے کیا مانگتے إِن يَسْـَٔلْكُمُوهَا فَيُحْفِكُمْ (اگر تم سے اصرار سے مانگا جائے تو بخل کرنے لگو) دیکھئے یہاں سوال میں فَيُحْفِكُمْ (پس تم بخل کرو) بڑھایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال میں عادۃً اخفاء ہوتا ہے چنانچہ مانگنا اسی کو کہتے ہیں جس میں دوسرے کو لپٹ جائے، اور شریعت میں یہ حرام ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ اگر ہم مانگنے لگیں تو تم بخل کرنے لگو گے اور تمہاری دلی کدورت ظاہر ہوجائے گی۔ ضعینہ کے اصل معنی کینہ کے ہیں یہاں مراد کدورت ہے یعنی انفاق میں جو دل پر تنگی ہوتی ہے، وہ ظاہر ہوجائے گی۔ اس لیے ہم تم سے سوال نہیں کرتے۔ اگر سوال کریں تو یہ خرابیاں ہوں گی۔ یہ حاصل ہے آیت کا ہاں انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت بیان کردینا اور بات ہے، یہ سوال میں داخل نہیں، اس لیے ہم اس کو نصوص میں جا بجا بتلا چکے ہیں اگر کسی کو ثواب لینا ہو لے لے، اسی کو فرماتے ہیں هَٰٓأَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنفِقُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ (۳) ہم بے شک تمہیں اس طرف بلاتے ہیں کہ خرچ کرو اللہ کے راستہ میں، اس میں تمہارا ہی نفع ہے۔ مگر مانگتے کب ہیں ہم تو تم سے ایک کوڑی بھی نہیں مانگتے۔ البتہ خرچ کا راستہ بتلائے دیتے ہیں۔

اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک تو کسی سے کہا کہ دس روپے لاؤ یہ تو سوال ہے اور ایک یہ کہ کسی کو رائے دی کہ میاں دس روپیہ سے فلاں چیز لے لو گے تو نفع ہوگا مشورہ ہے اپنے لیے کچھ نہیں مانگتے، بلکہ خود اس کے نفع کی ایک صورت بتلادی۔ ان دونوں باتوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ تو فرماتے ہیں کہ نصوص میں اس کی ترغیب تو ہے کہ خرچ کرو۔ اگر خرچ

(۱) سورۃ محمد: ۳۶ (۲) سورۃ محمد: ۳۷ (۳) سورۃ محمد: ۳۸۔

کروگے تو اس کا ثواب یہ ہے كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنۢبُلَةٖ مِّاْئَةُ حَبَّةٖۗ وَٱللَّهُ يُضَٰعِفُ لِمَن يَشَآءُ (۱) ایک دو اور سات سو لو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

خود کہ یابد ایں چنیں بازار را کہ بیک گل میخری گلزار را(۲)

اور فرماتے ہیں:

نیم جاں بستاند وصد جاں دہد انچہ درد ہمت نیاید آں دہد(۳)

تو یہ ایک تجارت سکھلائی تھی کہ اگر اس پر عمل کروگے بڑے منافع حاصل ہوں گے مگر تم کنجوس ہو تجارت میں بھی کنجوسی کرتے ہو۔ اس کا خمیازہ تم ہی بھگتو گے، ہمارا کیا نقصان ہم نے تو تمہارے نفع کی ایک بات بتلائی تھی۔ نہیں مانتے مت مانو ایسی تیسی میں جاؤ۔ اسی کو ارشاد فرماتے ہیں: فَمِنكُم مَّن يَبۡخَلُۖ وَمَن يَبۡخَلۡ فَإِنَّمَا يَبۡخَلُ عَن نَّفۡسِهِۦۚ (۴) یعنی اس بخل سے خدا کا کچھ ضرر نہیں تمہارا ہی ضرر ہے وَٱللَّهُ ٱلۡغَنِيُّ وَأَنتُمُ ٱلۡفُقَرَآءُۚ خدا غنی ہے اس کو کسی کی پرواہ نہیں۔ ہاں تم محتاج ہو۔ تمہاری حاجت ہی کو دیکھ کر یہ رائے دی گئی تھی کہ اللہ کے راستہ میں دوگے تو مالا مال ہوجاؤ گے۔ نہیں مانتے تو تمہارا ہی نقصان ہے ہمارا کیا بگڑا۔ اس آیت کی یہ تقریر ایک عالم صاحب نے سن کر بہت خوشی ظاہر کی اور دعائیں دیں اور کہا آج اس کا مطلب سمجھا ہوں۔ پہلے تو بڑے تردد میں تھا کہ اس آیت میں یہ کیسا تعارض ہے کہ اول آیت میں تو سوال کی نفی معلوم ہوتی ہے اور آخر میں خود سوال ہے۔ اب معلوم ہوا کوئی تعارض نہیں کیونکہ دوسری آیت میں سوال نہیں ہے بلکہ ترغیب ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ کی اور پہلی آیت میں نفی ہے۔ سوال کی اس تقریر سے سب اشکالات حل ہوگئے۔

---

(۱) ''جیسے ایک دانے کی حالت جس سے سات بالیں جس میں ہر بال کے اندر سو دانے ہوں اور یہ افزونی خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے'' سورۃ البقرۃ:۲۶۱ (۲) ''تمہیں ایسا بازار کہاں مل سکتا ہے کہ ایک گل کے بدلے چمن ہی خریدے'' (۳) ''فانی اور حقیر جان لیتے ہیں اور اس کے بدلہ میں باقی جان عطا کرتے ہیں جو خواب وخیال نہیں ہوتا وہ عطا کرتے ہیں'' (۴) ''پس تم میں سے جو شخص بخل کرتا ہے وہ اپنے لیے ہی بخل کرتا ہے'' سورۃ محمد:۳۸۔

اشکال کا جواب

مگر ایک شبہ رہ گیا تھا وہ یہ کہ اگر ہم خرچ نہ کریں تو دین کا سب کام چوپٹ ہوجاوے یہ مدارس کیسے قائم رہیں اور مسجدوں کی خدمت کون کرے۔ اگر ہم خرچ نہ کریں تو رفتہ رفتہ دنیا سے دین رخصت ہوجاوے تو اس اعتبار سے ہم محتاج الیہ ٹھہرے۔ اس ناز کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ہاں بے شک بظاہر تمہاری ہی مدد سے یہ کام چلتے ہیں اگر روپیہ نہ ہوتو مثلاً مدرسے قائم نہ رہیں۔ روپیہ کی اور دینے والے کی تو واقعی ضرورت ہے۔ مگر خاص تمہاری ذات شریف کی خدا کو حاجت نہیں۔ اگر تم اس کام کو چھوڑ دوگے تو اللہ تعالیٰ دوسری قوم کو بدل دیں گے کہ بجائے تمہارے وہ اس دینی خدمت کو کرے گی۔ اسی مضمون کو فرماتے ہیں وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ (۱) مطلب یہ ہے کہ واقعی دین کا کام خرچ کرنے سے چلتا ہے، مگر وہ خرچ کرنا تم پر موقوف نہیں۔ سبحان اللہ کیا بلاغت ہے يَسْتَبْدِلْ میں اشارہ ہے اس طرف کہ یہ خرچ کرنا تمہارا ایک عہدہ ہے تم مالک نہیں ہو۔ خزانچی کو بادشاہ کے حکم سے روپیہ دینا اس کا عہدہ ہے وہ خزانے کا مالک نہیں بلکہ مالک بادشاہ ہی ہے۔ اگر خزانچی بادشاہ کے کہنے پر روپیہ نہ دیوے تو مالک اس عہدہ دار کو بدلنے پر قادر ہے۔ اس طرح سے کہ فوراً کان پکڑ کر نکال دیا جاوے گا اور اس کے قائم مقام دوسرے کو خزانچی بنادیں گے۔ اسی طرح اگر تم خرچ نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ دوسری امت پیدا کردیں گے کہ وہ فی سبیل اللہ خرچ کرے گی اور دینی خدمات کو انجام دے گی یہ بھی شبہ رفع ہوگیا۔

چندہ کرنے میں بے احتیاطی

میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ لوگ سب سے پہلے چندہ مانگتے ہیں اور کام کچھ نہیں کرتے۔ اس طرح چندہ کو بھی بے اثر کردیا کہ ہر بات میں لاؤ چندہ۔ پھر اس کے مصرف کی کچھ پرواہ نہیں کہ حلال طریقہ سے خرچ ہوتا ہے یا حرام طریقے سے اور کہاں صرف کرنا جائز ہے کہاں حرام اس کی ذرہ پرواہ ہی نہیں۔ نیز لینے میں یہ نہیں دیکھتے کہ

(۱) سورۃ محمد: ۳۸۔

کسی یتیم کا تو حق نہیں آ گیا، کسی نابالغ کا مال تو نہیں آ گیا۔ بس جس طرح آ گیا لے لیا۔ دہ دردہ ہے(۱) اس میں جو بھی کود پڑے ناپاک نہیں ہوتا۔ پھر چندہ کرنے میں نہ آبرو کا خیال ہوتا ہے نہ عزت کی نگہداشت، خواہ کتنی ہی ذلت ہو مگر چندہ ضرور ملے۔

حضرت تھانویؒ کی احتیاط

تھانہ بھون کے اسٹیشن پر ایک مسجد بنی ہے جب اس کا کام شروع ہوا، تو ہمارے پاس کل آٹھ روپے تھے۔ وہاں ایک مولوی صاحب تھے پرانی روکے انہوں نے پوچھا کہ مسجد کے لیے کتنے روپے جمع ہوئے۔ لوگوں نے کہا کہ آٹھ روپے، کہنے لگے آٹھ روپے! اور مسجد کا کام شروع کرا دیا، انہوں نے بڑا تعجب کیا اور یہ کہا کہ جب تک دو ہزار روپے جمع نہ ہوں تعمیر کو ہاتھ نہ لگانا۔ آٹھ روپے سے بھی بھلا مسجد تیار ہوا کرتی ہے مجھے یہ قصہ معلوم ہوا تو میں نے کہا کہ آپ نے اللہ میاں کو اپنے اوپر قیاس کیا ہے، خدا کے پاس تو سارے خزانے ہیں۔ اس کے یہاں روپیہ کی کیا کمی ہے وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ (۲) میں نے ناظم تعمیر سے کہا کہ تم بنیاد کھدواؤ اور کسی کا کہنا مت مانو۔ تم اللہ کا نام لے کر کھدواؤ، اللہ میاں ہی اس کو غیبی سامان سے بھر دیں گے۔ ان مولوی صاحب نے کہا کہ میاں لڑکے ہو کچھ سمجھتے نہیں، میں نے کہا کہ جب لڑکوں سے کام چل جائے تو بڈھوں کو بولنے کی ضرورت نہیں، اور واقع ان کے اعتبار سے تو ہم لڑکے ہی تھے۔ جیسے ایک بڈھے سفید ریش والے سے میں نے پوچھا تھا آپ کون ہیں، کہا میں فلاں صاحب کا لڑکا ہوں، تو اگرچہ یہ خود بھی بڈھے تھے مگر اپنے باپ کے اعتبار سے تو لڑکے ہی تھے۔ ایسے ہی ہم بھی ان کے اعتبار سے لڑکے ہی تھے، جب یہ آٹھ روپے خرچ ہو گئے اور روپیہ نہ رہا تو میں نے ناظم سے کہہ دیا تھا کہ کسی سے چندہ مت مانگنا۔ وہ کہتے تھے کہ یہ حال ہو گیا کہ میں بازار کو کسی کام کو جا رہا ہوں اور لوگ پکار رہے ہیں کہ میاں فلاں صاحب ذرا ادھر آیئے میں کہتا بھائی مجھے کام کو جانا ہے۔ وہ کہتے اجی ذرا ٹھہرو تو پھر وہ خود آتے اور کوئی دو روپیہ اور کوئی چار روپیہ دے جاتا۔ غرض

(۱) دس ہاتھ لمبا دس ہاتھ چوڑا حوض ہے جس کا پانی نجاست قلیل گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا (۲) ''اور آسمانوں اور زمینوں میں اللہ ہی کے خزانے ہیں'' سورۃ المنافقون: ۷۔

لوگ بلا بلا کر روپیہ دیتے تھے۔اس زمانے میں بیگم بھوپال کے صاحبزادہ بیمار تھے اور اس قدر پریشان تھیں کہ ڈاک تک نہ دیکھتی تھیں۔اس حالت میں میں نے ناظم سے کہہ دیا کہ تم ان کے پاس لکھ دو کہ یہاں ایک مسجد بن رہی ہے ایک کار خیر ہے، اگر آپ اس میں حصہ لینا چاہیں تو لے سکتی ہیں۔ میں آپ سے چندہ نہیں مانگتا،صرف اس لیے اطلاع کردی کہ شاید علم ہونے پر پھر آپ کو خیال ہو کہ مجھے کیوں نہ اطلاع کی گئی اس کار خیر میں مجھے کیوں نہ شریک کیا گیا۔انہوں نے فوراً جواب دیا کہ تعمیر مسجد میں کتنے روپے خرچ ہوں گے۔تخمینہ کرکے اطلاع کیجئے۔ ہمارے دوستوں نے کہا کہ کچھ زیادہ لکھ دیجئے کیونکہ اگر کہیں خرچ زیادہ ہوگیا تو زیادہ روپے کی ضرورت ہوگی اور تعمیر کا کام ایسا ہی ہے کہ کبھی بڑھ جاتا ہے۔ میں نے کہا نہیں جی اللہ میاں کے یہاں کچھ کمی نہیں ہے۔ اگر بعد میں ضرورت ہوگی تو وہ پھر دوسرا انتظام کردیں گے۔غرض ان کو صحیح تخمینہ کی بلا کم وبیش اطلاع کی گئی،روپیہ آگیا اتفاق سے کام بڑھ گیا اور روپے کی اور ضرورت پڑی۔ میں نے ناظم سے کہا کہ ایک خط اور لکھ دو بیگم صاحبہ کو۔اور اس کا یہ مضمون ہو کہ جو روپیہ آپ نے بھیجا تھا وہ تو سب لگ گیا، اور اتفاق سے کام بڑھ گیا ہے۔آپ کو یہ اطلاع اس لیے نہیں کی جاتی ہے کہ آپ خواہ مخواہ اس کی تکمیل ہی کریں۔ بلکہ اس لیے کی جاتی ہے کہ بعد میں آپ کو ناگواری نہ ہو کہ مجھے کیوں نہیں اطلاع کی۔آپ سے چندہ کی درخواست نہیں کی جاتی۔آپ اگر آزادی سے دینا چاہیں دے دیں۔ چنانچہ خط پہنچتے ہی فوراً روپیہ آگیا۔اس واقعہ سے لوگ حیرت میں پڑ گئے کہ ایسے استغناء کے ساتھ لکھا گیا تھا اور پھر بہت جلد کامیابی ہوگئی۔ میں نے کہا کہ میاں یہ سنت انبیاء کی برکت ہے وہ بھی کسی سے چندہ نہیں مانگتے تھے۔ ہم نے اس پر ہی عمل کیا ہے، اس کی برکت سے خدا نے کام پورا کردیا سو الحمد للہ ہم کسی سے چندہ نہیں مانگتے۔اور خود تو کیا مانگتے ہمیں تو اگر کوئی از خود بھی دے اس سے یہ کہتے ہوئے بھی عار آتی ہے کہ ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں، جیسا عام طور پر لوگ چندہ دینے والے کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ میں لطیفہ کے طور پر کہا کرتا ہوں کہ جو شخص شکریہ ادا کرتا ہے تو بزبان حال اقرار کرتا ہے کہ ہم تمہارا روپیہ کھا جائیں گے ورنہ شکریہ کا ہے کا ہے۔انہوں نے تم پر کیا احسان کیا جو تم ان کا شکریہ ادا

کرتے ہو۔ دینے والوں نے اپنی منفعت اور اپنی بھلائی کے واسطے دیا تو ہمیں تو نہیں دیا بلکہ برعکس وہ ہمارا شکریہ ادا کریں تو زیبا ہے۔ کیونکہ ہم نے ان کے روپے کی حفاظت کی اور موقع پر خرچ کیا اور ایک پیسہ نہیں لیا۔ سو ہم شکریہ کے مستحق ہیں۔ غور کرلیا جاوے کہ انہوں نے ہم پر زیادہ احسان کیا یا ہم نے۔ حقیقت میں ہم ہی نے احسان کیا کہ امانت کا بار اٹھایا، احتیاط سے صرف کیا۔ اس لیے ہم شکریہ کیوں ادا کریں۔

لطیفہ

مگر ان شکریہ والوں نے شکریہ میں ایک لطیفہ بنا رکھا ہے۔ یعنی وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں یعنی چھوٹی سی شکر جو گویا شکر کی بی بی ہے شکر ادا نہیں کرتے نہ معلوم یہ شکریہ کون سا لغت ہے نہ عربی نہ فارسی۔ یہ اس میں یا کیسی ہے۔ ہمارے استاذ مولانا عبدالعلی صاحب جو کہ اس وقت دہلی مدرسہ عبدالرب میں پڑھاتے ہیں فرماتے تھے کہ الف لام اس وقت پانچ قسم کا ہے گو طالب علموں کو چار ہی قسمیں معلوم ہیں۔ یعنی جنسی، استغراقی، عہد ذہنی، عہد خارجی مگر ایک پانچواں اور بھی ہے وہ الف لام نیچریت کا ہے۔ ان کے یہاں ہر بات پر الف لام آتا ہے الفلاں الفلاں۔ تو جیسے وہ الف لام نیچریت کا ہے غالباً ایسے ہی یہ یاء بھی نیچریت ہی کی سی ہے یا کہ یہ مؤنث ہے شکر کا۔

مونث کے اوپر یاد آیا۔ ایک گنوار دہلی گیا تھا۔ دکان پر نان رکھے ہوئے تھے اس نے پوچھا کہ اس کا کیا نام ہے۔ دوکاندار نے کہا نان کہنے لگا یہ نان گئے پیسے کو ملتا ہے کہا دو پیسے کو۔ اسی جگہ چھوٹے چھوٹے نان بھی رکھے تھے، کہنے لگا اور یہ نانیاں کتنے کو ملتی ہیں۔ اس نے نان کی تانیث نانیاں بنائی، تو گویا یہ بی بی ہے بڑے نان کی۔ اسی طرح یہ لوگ شکر کو شکریہ کہتے ہیں۔

مانگنے اور چندہ کرنے میں فرق

خلاصہ یہ ہے کہ ہم چندہ لینے کو منع نہیں کرتے۔ چندہ کی ترغیب دینا برا نہیں ہے، ہم تو مانگنے کو منع کرتے ہیں اور اس کو ذلت سمجھتے ہیں، شاید کوئی کہے کہ پھر بات ہی

کیا ہوئی کہ چندہ کو منع نہیں کرتے ہیں اور مانگنے کو منع کرتے ہیں۔ دونوں میں فرق ہی کیا ہے جواب یہ ہے کہ دونوں میں بہت فرق ہے چنانچہ اس فرق کو ابھی ایک آیت سے ظاہر کر چکا ہوں، کہ سوال کا اور حکم ہے ترغیب کا اور حکم ہے۔ دونوں میں نہایت لطیف فرق ہے۔ سوال میں تو اللہ تعالیٰ نے فیحفکم (پس تم بخل کرنے لگو) بڑھایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اس میں عادۃً جبر ہوتا ہے دینے والوں پر۔ کیونکہ سوال میں لگنا لپٹنا ہوتا ہے اور ترغیب میں جبر نہیں ہوتا۔ دوسرے سوال میں ذلت ہوتی ہے اور ترغیب میں استغناء۔ سائل معطی کی نظر میں حقیر اور خوار ہوتا ہے اور ترغیب دینے والا ذیجاہ اور ممتاز رہتا ہے۔ اس کو وقعت اور عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ وہ مستغنی ہوتا ہے۔ پس ایک دفعہ کہہ دیا کہ یہاں فلاں کام ہوگا، مسجد بنے گی، مدرسہ قائم کیا جاوے گا۔ کسی کو سعادت لینا ہو ہزار دفعہ ہاتھ جوڑ کر روپیہ لادے، لے لیا جاوے گا، اور اگر اس کار خیر میں حصہ نہیں لیتے مت لو۔ تمہارا ہی نفع نقصان ہے ہمارا کچھ نہیں۔

حضرت تھانویؒ کا اصلاحی خطاب

میں ایک مرتبہ ریاست رامپور گیا تھا وہاں ایک مدرسہ کا جلسہ تھا، ایک مولوی صاحب نے مجھ سے پہلے تقریر کی۔ دوران تقریر چندہ کی تحریک کے لیے یہ کہا کہ اسو قت اسلام کی مثال اور اس کی حالت اس بیوہ عورت کی طرح ہوگئی ہے جس کا کوئی خبر گیر نہیں۔ خاوند مر گیا ہے اب نہ کھانے کو ہے نہ پینے کو، نہ رہنے سہنے کو چاروں طرف دیکھ رہی ہے کہ میرا بھی کوئی خبر گیراں ہے۔ تو ایسے وقت میں اس کی مالی خدمت کرنا بے حد ضروری ہے مجھے یہ مثال بہت بری معلوم ہوئی۔ ان کے بعد جب میں کھڑا ہوا تو میں نے اس کا رد کیا کہ اسلام بادشاہ ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں ہے بلکہ سب اسی کے محتاج ہیں۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمیکنی منت شناس از وکہ بخدمت بداشتت (۱)

اس میں نہ مسکنت ہے نہ ذلت ہے وہ بادشاہ ہے اس کا تو یہ حال ہے۔

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں ست خم و خمخانہ بامہر ونشان ست (۲)

(۱) ''یہ احسان مت جتاؤ کہ بادشاہ کی خدمت کرتا ہوں اس کا احسان مانو کہ اس نے تم جیسے کو خدمت میں رکھ لیا ہے'' (۲) ''اب بھی وہ ابر رحمت درخشاں ہے خم اور خمخانہ مہر ونشان کے ساتھ موجود ہے''۔

اس میں کچھ نقص نہیں، دین جیسا تھا ویسا ہی ہے، ہاں یہ کہو کہ ہم مسلمان اسلام کو چھوڑ کر بیوہ عورت کی طرح ہو گئے کہ ہمارا کوئی پرسان حال نہیں، اسلام پر جمتے تو خدا تعالیٰ ہمارا ناصر وحامی ہوتا۔ اب کوئی بھی نہیں، پھر میں نے تحریک چندہ کے لیے یہ کہا اگر تمہاری بے پرواہی سے اسلام دنیا سے گم ہوجاوے تو فقط مولویوں ہی سے پوچھ نہ ہوگی بلکہ عوام سے بھی مواخذہ ہوگا کیونکہ جس کا جو کام ہے اس سے اسی کی پرسش ہوگی۔ مولوی سے تو اس کی پوچھ ہوگی کہ تم نے تعلیمی خدمت نہیں کی اور عوام سے یہ کہا جاوے گا کہ تم نے ان کی مالی خدمت کیوں نہ کی کیونکہ ننگے بھوکے رہ کر کوئی پڑھا نہیں سکتا۔ تو تنہا ہمیں پر مصیبت نہ آئے گی بلکہ سب پر مصیبت ہوگی۔ جیسے مولویوں کی گرفت ہوگی عوام کی بھی گرفت ہوگی۔ اب خواہ مالی خدمت کرو یا نہ کرو، یہ سن کر پٹھانوں کو جوش اٹھا کہا ہاں جی اسلام بیوہ کیوں ہوتا وہ تو بادشاہ ہے اور چھنا چھن روپیہ برسنا شروع ہوا۔ پھر ان مولوی صاحب کو بھی اپنی غلطی معلوم ہوگئی۔ میں کہتا ہوں بخدا اگر ساری دنیا کافر ہوجاوے جب بھی اسلام میں کچھ فرق نہیں آسکتا۔ بلکہ جیسا ہے ویسا ہی رہے گا اور کیوں فرق ہو، آخر اسلام کس کا نام ہے احکام خداوندی کا۔ خدا حاکم ہے اور اسلام اس کا قانون ہے۔ تو جب تک حاکم میں قوت ہے اس وقت تک اس کے قانون واحکام میں ضعف نہیں آسکتا۔ اسی طرح جب تک خدا موجود ہے اس وقت تک اسلام ضعیف نہیں ہوسکتا اور ظاہر ہے کہ خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ لہٰذا اسلام بھی ہمیشہ قوی رہے گا۔ اس میں ذرہ برابر ضعف نہیں آسکتا۔ اسلام کو رانڈ بیوہ کہنا نہایت بے ادبی ہے۔ مسلمان کو اس سے بڑی عار آنا چاہیے۔

بھلے بُرے میں تمیز

اسی طرح پچھلے دنوں اس مضمون کے لیکچر ہوا کرتے تھے کہ اسلام بغیر دوسری اقوام کی امداد کے زندہ نہیں رہ سکتا، افسوس ان لوگوں کو یہ لفظ منہ سے نکالتے ہوئے شرم وغیرت نہ آئی، ڈوب نہ مرے، انہوں نے ہی قوم کو برباد کیا ہے ساری خرابی انہیں کی بدولت ہورہی ہے۔ بھلا ہم اور دوسروں کے محتاج ہوں۔ افسوس اب تک ان لوگوں نے یہی نہیں

سمجھا کہ ہم کیا ہیں، اگر یہ سمجھتے تو کبھی ایسا لفظ زبان پر نہ لاتے۔ مگر سمجھتے کیسے؟ کیونکہ اس کے سمجھنے کے لیے تو بصیرت کی ضرورت ہے۔ اس کے فہم کے لیے نور چاہیے جب وہ نور نہیں پھر کیسے سمجھیں، بھلے برے کی تمیز کریں۔ ہماری وہ مثال ہے کہ ایک معشوق حسین ہمارے پاس موجود ہے۔ ہم اس کو نہیں دیکھتے کیونکہ وہ اندھیرے میں کھڑا ہے اور ہمارے پاس روشنی نہیں نور نہیں اس لیے وہ ہم کو نظر نہیں آتا۔ اگر نور ہوتا تو اس کو دیکھ کر یہ کہتے ہیں۔

زفرق تابقدم ہر کجا کہ مینگرم کرشمۂ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست (۱)

مگر وہ نور نہیں لہٰذا دوسرے زشت منظر (۲) کو تک رہے ہیں۔ اسی طرح اپنے کو نہ دیکھ کر اپنے کو دوسری قوم کا محتاج سمجھ لیا۔ صاحبو! اسلام کو ظاہری قوت کی ضرورت نہیں۔ اسلام روپیہ پیسہ کا محتاج نہیں، اسلام کی اشاعت وترقی کے لیے صرف دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ ایک تو ہر شخص اپنے اعمال کو ٹھیک کرے، پورا متبع شریعت بن جائے اور اعمال میں اتفاق بھی آ گیا اور دوسرے یہ کہ غیر قوموں کے کانوں میں اس کی خوبیاں ڈالتا رہے۔ لڑائی جھگڑا نہ کرے، نرمی سے ان کو سمجھاتا رہے جس کو حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (۳)

مسلمانوں کا حال

افسوس اس وقت ہماری حالت بالکل خراب ہوگئی۔ ہمارا بالکل کایا پلٹ ہوگیا، ہمارا کوئی کام اعتدال سے نہیں ہوتا۔ بس وہی حال ہے۔

چوں گرسنہ میشوی سگ میشوی چونکہ خوردی تندو بدرگ میشوی (۴)

یعنی یہ حالت ہے کہ اگر بھوکے ہیں تو اور قسم کی بلا میں مبتلا ہیں اور پیٹ بھرے ہیں تو اور قسم کی بلا میں مبتلا ہیں اور یہ حالت ہے۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

(۱) ''سر سے قدم تک جس جگہ دیکھتا ہوں کرشمہ دامن دل کو کھینچتا ہے کہ یہی جگہ محبوب کی ہے'' (۲) برے منظر کو دیکھ رہے ہیں (۳) ''آپ ﷺ اپنے رب کی راہ کی طرف علم اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلائے اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے'' سورۃ النحل: ۱۲۵ (۴) ''جب بھوکا ہوتا ہے کتے کی طرح بن جاتا ہے جب شکم سیر ہوتا ہے ظالم اور سخت مزاج ہوجاتا ہے''۔

یا تو ہم غفلت میں پڑے سو رہے تھے یا اٹھے تو کبھی دوسروں کے ساتھ لڑائی بھڑائی کرنے لگے اور کبھی ان کی خوشامد کرنے لگے۔ ہماری وہی مثال ہے کہ اونٹ رے اونٹ تیری کوئی کل سیدھی ہے۔ پہلے تو یہ تھا کہ ہندوؤں کے خلاف کچھ نہ بولو اتحاد میں خلل پڑے گا۔ اتحاد ہی کو قبلہ وکعبہ بنا رکھا تھا چاہے اسلام ٹوٹے مگر اتحاد نہ ٹوٹے۔ افسوس ان کو تو اتحاد کا خیال تھا، ہر وقت اتحاد کی دھن تھی اور ان کو اس کی ذرا بھی پرواہ نہ تھی۔ بلکہ اس اتفاق ہی کی حالت میں وہ ان کی جڑ کاٹ رہے تھے مگر ان کو خبر بھی نہیں ہوئی اور یا اب خبر ہوئی تو لڑنا بھڑنا شروع کر دیا۔ بھائی لڑنے کے بھی کچھ شرائط وحدود ہیں جب وہ نہیں پھر کیا لڑائی۔ طریقہ کے بغیر لڑنا، بجز فساد کے کچھ نہیں۔ بس ہمیں تو یہ طریقہ بتلایا گیا ہے اور وہی ہم کو اختیار کرنا چاہیے یعنی اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١٢٥﴾ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ ۖ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ ﴿١٢٦﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿١٢٧﴾ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ﴿١٢٨﴾ (۱)

آداب تبلیغ

اس میں پورے آداب، تبلیغ کے مذکور ہیں، حق تعالیٰ نے اس میں شرائط وآداب تبلیغ کو مفصل طور پر بیان فرمادیا ہے۔ چنانچہ اول تو امر ہے اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ

(۱) ''آپ ﷺ اپنے رب کی راہ کی طرف علم اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلائیے اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے۔ آپ ﷺ کا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو بھی جو اس کے رستہ سے گم ہوا اور وہی راہ چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے اور اگر بدلہ لینے لگو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت ہی اچھی بات ہے اور آپ ﷺ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا خاص خدا تعالیٰ ہی کی توفیق سے ہے اور ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ یہ تدبیریں کیا کرتے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہوجائیے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو پرہیزگار ہوتے ہیں اور جو نیک کردار ہوتے ہیں'' سورۃ النحل: ۱۲۵۔۱۲۸۔

رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (۱) سبحان اللہ کیا فصاحت ہے ایک ہی آیت میں سب فرقوں کی اصلاح فرماتے ہیں۔ چنانچہ بعض تو وہ لوگ ہیں کہ دعوت کو ضروری نہیں سمجھتے ہیں اور بعض وہ ہیں کہ ضروری تو سمجھتے ہیں مگر جنگ وجدال کرنے لگتے ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کی اصلاح فرمائی ہے کہ دعوت تو کرنا چاہیے وہ تو ضروری ہے، اس میں فرقہ اول کی اصلاح ہوگئی۔ آگے فرماتے ہیں کہ دعوت تو ہو مگر ایک خاص طریقہ سے۔ آگے وہ طریقہ بتلاتے ہیں کہ طریقہ دعوت کا یہ ہے کہ حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ لوگوں کو بلاؤ۔ نرمی سے سمجھاتے رہو۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے دو باتوں کا امر فرمایا ہے۔ ایک حکمت دوسرے موعظت حسنہ۔

اول یہ سمجھو کہ ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ سو حکمت تو کہتے ہیں علم کو، اور موعظت حسنہ کہتے ہیں ترغیب وترہیب وترقیق قلب کو یعنی ان کو علمی مضامین سے بلاؤ۔ مضامین علمیہ ان کے کانوں میں ڈالتے جاؤ اور ان مضامین کو ترغیب وترہیب سے موثر بناؤ۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ حکمت وموعظت حسنہ کے ساتھ بلاؤ اور یہ حکمت مقابل ہے مناظرہ وجدال کا گو وہ بھی علمی مباحث سے ہوتا ہے مگر وہ حکمت نہیں بلکہ حکمت اثبات مدعا کا نام ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ایک تو ہوتا ہے اثبات مدعا اور ایک جواب ہوتا ہے نقیض مدعا کا۔ یعنی ایک تو ہے اپنے دعویٰ کو ثابت کرنا، دوسرے معترض کے اعتراض کا جواب دینا، اس کے خدشات کو دفع کرنا، تو حکمت تو اثبات مدعا ہے اور جواب دینا نقیض مدعا کا یہ جدال ہے۔ تو اصل مفید چیز تو دعوت کرنا ہے حکمت کے ساتھ، لیکن اس میں اگر کبھی جدال واقع ہوجاوے، تو اس کے بھی خاص طریقے ہیں۔ سو آگے ان طریقوں سے خصم کے اعتراض دفع کرنے کی تاکید ہے۔ غرض دعوت الی الاسلام کے لیے حکمت تو لازم ہے۔ بلا حکمت کے دعوت ہوتی ہی نہیں۔ باقی جدال لازم نہیں یہ ضروری نہیں کہ جہاں دعوت ہو وہاں جدال بھی ہو۔ تو مطلب یہ ہے کہ دعوت میں مضامین علمی بیان کرو۔ فوائد علمیہ سناتے جاؤ۔ اپنے دعوے کو دلائل علمیہ وعقلیہ سے ثابت کرو اس کی خوبی

اس

(۱)’’ آپ ﷺ اپنے رب کی راہ کی طرف علم اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلائیے‘‘۔
کے محاسن بیان کرو لیکن اگر اس میں کوئی دوسرا اعتراض کرے کوئی نقض وارد کرے، تو اس وقت ضرورت ہوگی مباحثہ کی۔ تو اس وقت مباحثہ کرو مگر احسن طریقہ سے اسی کو فرماتے ہیں وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (۱) یعنی اس طرح جواب دو کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو، لعن وطعن نہ ہو، خشونت نہ ہو۔ کسی پر طعن نہ کرو کسی کو ملامت نہ کرو، کسی کی ہجو نہ ہو۔ ایسے مباحثہ حسنہ سے مخاطب کو رنج وملال نہ ہوگا بلکہ وہ اثر پذیر ہوگا۔ یعنی مضامین کے بیان میں کبھی خشونت ہوجاتی ہے، کبھی غصہ اور تیزی کے لہجہ سے بیان کیا جاتا ہے۔ اس کی ممانعت فرماتے ہیں کہ ایسے طریقے اختیار نہ کرو جس سے مخاطب بھڑک اٹھے، اس کے بدن میں آگ لگ جائے۔ سو ایک تقریر تو مقام کی یہ ہوئی۔

آیت کی تفسیر دوم

دوسری تقریر یہ ہے کہ موعظت بھی ایک مستقل طریق ہے۔ تو اس وقت حاصل مقام کا یہ ہوگا کہ اگر مخاطب میں علمی قابلیت دیکھو اس کے اندر سمجھ کا مادہ ہو تو وہاں حکمت کے ساتھ بلاؤ، اس کو مضامین علمیہ سناؤ اور اگر استعداد علمی نہ ہو تو موعظت سے کام لو۔ کیونکہ وعظ کے لیے چنداں ذہین فہیم ہونے کی ضرورت نہیں۔ وعظ کا اکثر مضمون عام فہم ہوتا ہے، کیونکہ موعظۃ حسنہ اس کو کہتے ہیں، جس سے قلب میں نرمی پیدا ہو، رقت طاری ہو، تو معنی یہ ہوئے کہ جنت کی ترغیب دو۔ دوزخ سے ترہیب کرو، نعمائے جنت وآسائش وراحت بہشت کو بیان کرو، اس سے رغبت پیدا ہوگی۔ اور دوزخ کے ورکات اور تکالیف وعذاب سے ڈراتے رہو اور اس کے بعد بھی اگر کوئی شبہ کرے تو اس کے لیے حکم ہے وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ کہ ان سے مجادلہ کرو احسن طریقہ سے، جس کی تفسیر اوپر گزر چکی۔ آگے إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ (۲) الخ بڑھا کر مجموعہ میں ایک باریک بات بتلادی وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ طرز تعلیم فرمایا ہے کہ ان کو حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ بلاؤ یعنی نرمی سے سمجھاؤ۔ کوئی خشونت نہ ہو، درشتی نہ ہو۔ ظاہر کہ یہ طرز وہی اختیار کرسکتا ہے جس کے اندر شفقت ہو۔ اگر وہ شفیق نہیں تو اس کو منت

(۱)''اوران کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے''(۲)''بے شک آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے''۔
ساجت کی کیا پڑی؟ دیکھو جب استاذ شفیق ہوتا ہے تو چاہتا ہے کہ کسی طرح یہ پڑھ لے۔ طرح طرح سے اس کو سمجھاتا ہے، کبھی پیسہ دیتا ہے، کبھی مٹھائی کھلاتا ہے، پیار کرتا ہے، چمکارتا ہے کہ میاں تمہارا ہی فائدہ ہے۔ سبق پڑھو دیکھو اگر پڑھو گے تو درجات ملیں گے۔ تو اس طریق کی تعلیم فرمانا گویا شفقت کا حکم فرمانا ہے مگر اس حکم شفقت میں ایک اشکال بھی تھا وہ یہ کہ شفقت کی وجہ سے جس طرح ابتدائے تعلیم میں نرمی اختیار کرتا ہے ایسے ہی انتہا میں ناکامی سے رنج بھی زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کسی بچہ کے ساتھ محنت اور جاں کاہی(۱) کی جاوے اور پھر بھی ناکامی ہو تو بڑا رنج ہوتا ہے کہ ہائے ہماری ساری محنت برباد ہوگئی، خاک ہی میں مل گئی۔ پھر رنجیدہ ہوکر کام سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اس لیے اس اشکال کے عملی علاج کے لیے آگے إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ (بے شک آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے) میں اس شفقت کو اعتدال پر لانے کا طریقہ بتلاتے ہیں۔

تعلیم خداوندی میں اعتدال

اور وہ طریقہ ایک مراقبہ ہے واقعی اخلاق کی میزان(۲) سوائے خدا کے کسی نے نہیں بتائی ان کی تعلیم میں افراط تفریط(۳) نہیں ہے بالکل اعتدال ہی اعتدال ہے۔ کیونکہ افراط بھی مضر ہے(۴) اور تفریط بھی۔ چنانچہ اگر حد سے زیادہ شفقت ہو تو یہ بھی مضر۔ کیونکہ اس سے آخر کو بددل ہوجاوے گا اور کام بھی چھوڑ بیٹھے گا، اور اگر تفریط ہے یہ بھی مضر کیونکہ شفقت کی تعلیم کا اور اثر ہوتا ہے اور بے شفقت کا اور اثر۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اس کی ایک میزان بتادی تاکہ کسی جانب میں کمی بیشی نہ ہو۔ دونوں پہلو برابر رہیں۔ چنانچہ اول فرماتے ہیں اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (۵) اس میں تو شفقت کے ساتھ تعلیم کا امر ہے کیونکہ اگر ابتداء میں شفقت نہ ہو تو ایسی تعلیم کم نفع دے گی۔ اور اس کے بعد افراط فی الشفقت(۶) کی ممانعت ہے اس کے لیے یہ مراقبہ بتلاتے ہیں کہ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ

(۱) محنت (۲) ترازو (۳) کمی بیشی (۴) نقصان دہ (۵)''آپ ﷺ اپنے رب کی راہ کی طرف علم اور

نصیحت کی باتوں سے بلایئے‘‘(۶) شفقت میں حد سے بڑھ جانے کی ممانعت ہے۔

بِالْمُهْتَدِينَ (۱) گویا اس کے معنی یہ ہیں کہ لا تحزن علیھم ان لم یومنوا (۲) یعنی آپ کا فرض منصبی تو دعوت کرنا ہے وہ آپ نے کردی اب اگر وہ ایمان نہیں لاتے آپ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے تو آپ غمگین نہ ہوں، کیونکہ ایمان لانا یا نہ لانا یہ تو خدا کے قبضہ قدرت میں ہے۔ آپ کے اختیار میں نہیں، پھر آپ غمگین کیوں ہیں؟

اس مضمون کے استحضار سے غلو فی الشفقت (۳) نہ ہوگا جو کہ مضر ہے اور اس کے مضر ہونے کا ایک راز ہے وہ یہ کہ شفقت سے حزن (۴) ہوگا، اور حزن کا خاصہ یہ ہے کہ اس سے قلب ضعیف ہوجاتا ہے اور بددل ہوکر آدمی کام چھوڑ دیتا ہے کہ اتنا تو سر مارا اور پھر بھی ناکامی ہوئی چھوڑو اور اس قصہ ہی کو الگ کرو، اس سے کیا فائدہ؟ تو شدت شفقت کی وجہ سے یہ بات ہوگی اور اس سے سلسلہ تبلیغ کا بند ہوجائے گا۔ اس لیے غلو کا بھی علاج کردیا۔ خلاصہ یہ کہ مسلم کی تبلیغ کا کام شفقت سے ہوتا ہے۔ مگر شفقت سے تبلیغ کی صرف تکمیل ہوتی ہے یہ خود بنفسہٖ مقصود نہیں، بلکہ اصل مقصود تبلیغ ہے۔ اگر شفقت سے تبلیغ ہی جاتی رہے تو شفقت کی ایسی تیسی، ایسی شفقت سے کیا فائدہ؟ کیا اس کو لے کر چاٹیں گے۔

شبہ کا جواب

اس کے بعد اس میں ایک اور شبہ رہا وہ یہ کہ ساری دنیا تو مہذب نہیں جو اس طریق کو مان لیں دنیا میں سب قسم کے لوگ ہیں اگر مبلغ سے کوئی لڑنے لگے مار پٹائی ہونے لگے تو کیا کریں؟ اس کے لیے فرماتے ہیں وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ (۵) سبحان اللہ دیکھئے اس میں کیسی بلاغت ہے کہ حضور ﷺ کو مخاطب نہیں بنایا۔ جس میں بتلادیا کہ آپ ﷺ کو تو تبلیغ میں اس کی نوبت ہی نہ آوے گی کہ آپ سے تبلیغ میں کوئی لڑے جھگڑے یا آپ ﷺ اس کا بدلہ لیں۔ آپ ﷺ کے ساتھ حق تعالیٰ کی اعانت خاصہ ہے۔ ہاں اگر تابعین اور ان کے خدام

(۱) ’’بیشک آپ کا پروردگار خوب جانتا ہے اس شخص کو جو اپنے رستہ سے گم ہوا اور وہی راہ چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے‘‘ (۲) اگر وہ ایمان نہ لائیں تو ان پر غم نہ کریں‘‘ (۳) اس بات کو پیش نظر رکھنے سے شفقت میں

غلو نہیں ہوگا (۴) غم (۵) ''اور اگر بدلہ لینے لگو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا''۔

ان کے غلاموں کو یہ بات پیش آجاوے تو ممکن ہے اس لیے تمہیں مخاطب بنا کر کہتے ہیں کہ جتنی تکلیف کسی سے تمہیں ہوئی ہو اتنی ہی اس کو دیجیو، زیادتی نہ کرنا وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ (۱) سبحان اللہ واقعی یہ خدا کا کلام ہے اگر مخلوق کا کلام ہوتا تو وہ صبر کو مقدم کرتا اور معاقبۃ کو موخر کرتا۔ مگر خدا تعالیٰ نے صبر کو مقدم نہ کیا اس میں بندہ کی حاجت کی رعایت ہے کیونکہ بشریت کا خاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی غصہ میں بھڑک رہا ہو اس وقت اس کی موافقت کرنے سے غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور مخالفت کی جائے تو وہ اور زیادہ گرم ہو جاتا ہے بالکل آگ ہو جاتا ہے مثلاً کسی کو آپ نے لڑتے دیکھا اور اس سے کہا کہ تو بھی اس کے چار دھول لگا دے یہ کہتے ہی وہ ٹھنڈا ہو جائے گا اور اگر تم نے یوں کہا کہ کیا نامعقول حرکت ہے کیوں لڑ رہے ہو صبر و تحمل سے رہنا چاہیے۔ تو وہ ایک تو اس پر وانت پیس رہا تھا اب آپ کی طرف بھی گھورنے لگے گا کہ سبحان اللہ کچھ سمجھے نہ سمجھائے یوں ہی صبر و تحمل کی ہانکنے لگے۔ تو اللہ میاں نے مخاطب کی رعایت کی کہ اگر کوئی تم سے لڑے بھڑے تو پھر اس کے چار جوتے لگا دو۔ اب یہ سن کر جب ذرا جی ٹھنڈا ہو گیا تو آگے فرماتے ہیں کہ اگر صبر کرو تو وہ بہت ہی اچھا ہے۔ پھر آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص طور پر صبر کا خطاب ہے وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ (۲) کہ آپ تو بالضرور صبر کریں یہ اور صبر ہے جس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہو رہا ہے اور اس سے پہلے وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ (اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت اچھی بات ہے) میں اور صبر مراد تھا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو رنج ہوتا تھا ان کے برا بھلا کہنے سے۔ وَاصْبِرْ میں تو اس پر صبر کرنا مراد ہے۔ وَلَئِن صَبَرْتُمْ میں لڑائی بھڑائی نہ کرنا اور بدلہ نہ لینا مراد ہے اور اس وَاصْبِرْ کے بڑھانے میں ایک دوسرا نکتہ بھی ہے وہ یہ کہ مسلمانوں سمجھو صبر جس کے لیے تم کو مشورہ دیا گیا ہے وَلَئِن صَبَرْتُمْ (اور اگر صبر کرو) میں یہ وہ چیز ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی باوجود یکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ درجہ کے اخلاق پر ہیں اس کا حکم ہوا کہ صبر کیجئے۔ پھر تم کس شمار میں ہو؟ تو اس سے مخاطبین کو صبر سہل ہو جائے گا۔

(۱) ''اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہت اچھی بات ہے'' (۲) ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبر کیجئے اور

آپ ﷺ کا صبر کرنا خاص اللہ ہی کی توفیق سے ہے''۔

مرض کا علاج

اس سے آگے ایک اور مرض کا علاج فرماتے ہیں۔ وہ مرض یہ ہے کہ صبر سے دعویٰ پیدا نہ ہوجائے کہ صابر ہیں، کہ ہم نے ایسے موقع پر صبر کیا ہم بڑے کامل ہیں۔ اس کا اسی طرح ازالہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کو خطاب فرماتے ہیں وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ (اور آپ ﷺ کا صبر کرنا خاص اللہ ہی کی توفیق سے ہے) جس میں آپ ﷺ کے خادموں کو سنانا ہے کہ میاں کیا دعویٰ کرسکتے ہو، تم بے چارے کیا چیز ہو، خود رسول کا صبر بھی جب واقع ہوگا وہ بھی خدا ہی کی توفیق سے ہوگا پھر تمہارا ان کے سامنے دعویٰ کرنے کا کیا منہ ہے؟ تم ہو کیا چیز ان کے کمال کے سامنے تمہارا کمال معدوم ہے، ان کے صبر کے مقابلہ میں تمہارا صبر کچھ حقیقت نہیں رکھتا جب ان کا صبر بھی بغیر توفیق مولیٰ نہیں ہوسکتا پھر تم کیا دعویٰ کرسکتے ہو؟

مقصود تبلیغ

آگے فرماتے ہیں وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ (۱) کہ اگر ناکامی ہو تو دل میں تنگی نہ ہونا چاہیے۔ آگے اس تنگی کو رفع کرنے کے لیے مراقبہ بتلاتے ہیں، اگر یہ مراقبہ پیش نظر رہے تو کبھی تنگی نہ ہوگی۔ پس فرماتے ہیں إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ (۲) یعنی یہ سوچو کہ مقصود تبلیغ سے کیا ہے، کیا دوسروں کو خاص مسلمان بنانا مقصود ہے، اگر کسی کو یہ مقصود ہوگا تو اگر ایک بھی کافر رہے گا تو رنج ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تبلیغ سے خاص یہ مقصود نہیں کہ آپ ﷺ کی حسب دلخواہ (۳) مراد پوری ہوجایا کرے کہ سب کے سب ولی اور ابدال بن جاویں بلکہ مقصود تبلیغ سے خدا تعالیٰ کا قرب اور معیت حاصل کرنا ہے اگر وہ تم کو حاصل ہوجاوے تو خواہ ساری عمر میں ایک بھی مسلمان نہ ہو ایک جگہ بھی کامیابی نہ ہو کچھ حرج نہیں اور اگر یہ نہیں تو ساری دنیا کی اصلاح سے تمہارا کیا نفع ہوا اس کو فرماتے ہیں إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ

(۱) ''اور جو کچھ یہ تدبیریں کرتے ہیں اس سے تنگ دل نہ ہوجایئے'' (۲) ''اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو پرہیزگار ہوتے ہیں اور جو نیک دار ہوتے ہیں'' النحل: ۱۲۸ (۳) حسب منشاء۔

اَتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ یعنی اللہ تعالیٰ تو متقین اور محسنین کے ساتھ ہے۔ اگر تقویٰ اور احسان حاصل ہے۔ چنانچہ تبلیغ کی بجا آوری سے یہ حاصل ہوگیا تو معیت خدا نصیب ہوگئی، اور یہی کافی ہے اب اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ اب خواہ کوئی بگڑے یا سنورے تم کو اس کی پرواہ نہیں ہونا چاہیے فَمَن شَآءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (۱) یہ احکام ہیں اسلام کے اور یہ آداب ہیں تبلیغ کے۔ صاحبو! افسوس ہے کہ عرصہ سے ہم اتنی بڑی چیزوں کو چھوڑ بیٹھے ہیں کہ نہ اپنے اسلام کی تکمیل کی فکر ہے نہ دوسروں تک تبلیغ اسلام کی فکر ہے۔ لوگ چونکہ اس سے غافل ہیں اس لیے اس وقت اس کے متعلق بیان کیا گیا کیونکہ حلوا نہ تنہا بایست خورد (۲)۔ پس اب اپنی بھی تکمیل کرو اور تبلیغ بھی کرو اور اس طرح کرو جیسے قرآن میں ہے نومسلموں اور کافروں کو نرمی سے سمجھاؤ، کسی سے لڑو بھڑو مت، مناظرہ مروجہ مت کرو کہ یہ آداب تبلیغ کے خلاف ہے اور اس سے نفع بھی نہیں ہوتا۔ تجربہ ہو چکا ہے۔ حتی کہ اس کا غیر قوموں نے بھی تجربہ کرلیا ہے وہ بھی اب مناظروں سے کنارہ کش ہونے لگے بس اسلامی مضامین کان میں ڈالتے جاؤ۔ بار بار اسلام کی خوبیاں سناتے رہو یہی طرز قرآن کا ہے۔ چنانچہ جا بجا فرماتے ہیں وَصَرَّفْنَا ٱلْأَيَٰتِ (۳) صَرَّفْنَا فِي هَٰذَا ٱلْقُرْءَانِ لِلنَّاسِ مِن كُلِّ مَثَلٍ (۴) یعنی بار بار مضامین کو دھراتے ہیں۔ اگر ہم لوگ اس طرح اختیار کریں یعنی وقتاً فوقتاً احکام پہنچاتے رہیں تو ان شاء اللہ بہت نفع ہو اور اگر نفع نہ بھی ہو ہمارا کیا بگڑا ہم نے تو اپنا فرض اتار دیا، جو کام ہمارے ذمہ تھا وہ ادا کردیا۔ اب نفع ہو یا نہ ہو، وہ جانیں اور ان کا کام۔

تبلیغ میں دو نیتیں

ہمیں اس سے کیا بحث، قرآن مجید میں حکایت ہے وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ٱللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا (۵) کہ اصحاب السبت میں سے ایک جماعت نے دوسری جماعت سے کہا کہ تم ایسی جماعت کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو خدا تعالیٰ ہلاک کرنے والے ہیں یا جن پر عذاب شدید نازل فرمانے والے ہیں

(۱) سورۃ الکہف: ۲۹ (۲) حلوہ اکیلے نہیں کھانا چاہئے (۳) سورۃ الاحقاف: ۲۷ (۴) سورۃ الکہف: ۵۴
(۵) سورۃ الاعراف: ۱۶۴۔

ایسے لوگوں کو خطاب کرنے سے کیا فائدہ، قَالُوْا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۔ انہوں نے کہا کہ صاحب ہم اس لیے نصیحت کرتے ہیں تا کہ تمہارے لیے ایک عذر ہو خدا کے نزدیک کہ یا اللہ ہم نے تو کہا تھا انہوں نے مانا نہیں، جو ہمارا کام تھا وہ ہم نے ادا کر دیا تھا، ایک تو یہ بات ہے۔ اور دوسرا فائدہ یہ ہے کہ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ کہ ممکن ہے یہ لوگ ڈریں، شاید ان میں سے کسی کو ہدایت ہوجاوے۔ کیونکہ نرمی کے ساتھ سمجھانے سے امید تو ہے ان کے ایمان کی مایوسی کی کوئی وجہ نہیں یہ حکایت ہے۔ بس یہی دو نیتیں آپ بھی تبلیغ میں رکھئے ایک معذرت عنداللہ اور دوسری ان کے ایمان لانے کی توقع۔ جن میں سے پہلا مقصود تو قطعی الحصول ہے ان شاء اللہ تعالیٰ اور دوسرا محتمل ومتوقع ہے۔ بس تم ان کو اسلامی محاسن سناتے رہو، ان شاء اللہ بہت کچھ اصلاح کی امید ہے اور اس سے بہت اصلاح ہوئی ہے۔

قانون اسلام کی رعایت

چنانچہ اس کا ایک واقعہ یاد آ گیا جس سے ان محاسن کا اندازہ ہوتا ہے وہ یہ کہ حضرت عمرؓ کے یہاں فارس کا ایک شہزادہ گرفتار ہوکر آیا تھا آپؓ نے اس پر اسلام پیش کیا اس نے قبول نہ کیا، پھر آپؓ نے فرمایا تو مطیع ہوکر رہنا ہوگا اس نے اس سے بھی انکار کیا۔ آپؓ نے فرمایا تو پھر اب قتل کے لیے تیار ہوجاؤ۔ چنانچہ آپؓ نے قتل کا حکم دیا، اس نے کہا اب تو میں مارا ہی جاتا ہوں میری ایک تمنا ہے اسے تو پورا کردو فرمایا کہو۔ کہا پانی پینا چاہتا ہوں۔ آپؓ نے کہا بہت اچھا۔ پانی لایا گیا وہ پیالہ منہ کے پاس لے گیا اور پھر اس کو ہٹالیا۔ آپؓ نے فرمایا پیتا کیوں نہیں؟ کہا مجھے اطمینان نہیں کہ مجھے پانی پینے کی بھی مہلت ملے گی شاید درمیان ہی میں قتل کر دیا جاؤں۔ حضرت عمرؓ کو عمر بھر میں کسی نے دھوکہ نہیں دیا سوائے اس شخص کے۔ آپؓ نے فرمایا کہ تو پانی پی لے ڈرمت۔ کہا مجھے اطمینان نہیں۔ آپؓ کہہ دیجئے کہ جب تک تو یہ پانی نہ پی چکے گا اس وقت تک تجھے قتل نہ کیا جاوے گا، جب مجھے اطمینان ہوگا۔ آپؓ نے یہی بات کہہ دی۔ اس نے یہ شرارت کی کہ جھٹ سے پانی گرادیا اور کہا اب مجھے قتل کرو کیسے کرتے ہو؟ اس

کو یہ اطمینان ہوگیا کہ آپؓ یہ تو فرما ہی چکے ہیں کہ جب تک یہ پانی نہ پی چکے گا اس وقت تک تجھے قتل نہ کیا جاوے گا اور اب پانی کا پینا محال ہوگیا ہے۔ تو اب تحقق شرط متعذر ہوگیا تو مشروط بھی متعذر رہوگیا(۱)، اب مجھے کیسے قتل کریں گے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جا تجھے آزاد کیا گیا۔ آزاد ہوتے ہی اس نے کہا اشھدان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ واشھدان محمداً عبدہ ورسولہ(۲) اور مسلمان ہوگیا۔ جب اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ اگر میں اس وقت جب کہ آپ نے مجھ پر اسلام پیش کیا تھا مسلمان ہوجاتا تو لوگ سمجھتے کہ تلوار کے خوف سے مسلمان ہوا ہے اس لیے پہلے میں نے آپ کو بے دست و پا کردیا کہ میرے اوپر کسی طرح آپ کا زور نہیں چل سکتا۔ اب بخوشی مسلمان ہوتا ہوں۔ دیکھا آپ نے اسلام کی تعلیم کو کہ اس کو اس تعلیم وفائے عہد پر اتنا بھروسہ تھا کہ امن دینے کے بعد امیر المؤمنین ہرگز بدعہدی نہ کریں گے وعدہ کرکے خلاف وعدہ کبھی نہ کریں گے جبھی تو اس نے یہ تدبیر کی۔ اس کو پورا اعتماد تھا کہ مسلمان عہد کرکے ہرگز اس کے خلاف نہیں کرتے۔ کیا ٹھکانہ ہے اسلامی قانون کا کہ اس میں رعایت کی کچھ حد ہی نہیں۔

اسلام کی خوبی

حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ اگر ایک کافر نے قتال میں میرا ہاتھ قطع کردیا ہو۔ پھر جب میں نے اس پر قابو پایا اور مارنے کے لیے تلوار اٹھائی تو اس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا، اب اس حالت میں اس کو قتل کروں یا نہیں۔ فرمایا ہرگز نہیں۔ اب اس کو مارنا جائز نہیں اس وقت اگر اس کو مارو گے تو تم اس جیسے ہوجاؤ گے اور وہ تم جیسا یعنی اسلام لانے سے پہلے وہ کافر تھا کندہ جہنم تھا اور تم مسلمان جنتی تھے۔ اب اگر اس کو قتل کروگے تو تم دوزخی ہوجاؤ گے اور وہ جنتی کیونکہ وہ ایمان لے آیا۔ اب

(۱) اب یہ شرط پائی نہیں جاسکتی تو اس پر جو نتیجہ مرتب ہونا تھا یعنی پانی پینے کے بعد قتل کیا جانا وہ بھی نہیں ہوسکتا

(۲) ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں''۔

اس کا دم(۱) حرام ہوگیا ہے وہ بہشتی (۲) ہوگیا ہے۔ دیکھا آپ نے کہ اسلام کا ایسا قانون ہے کہ جب تم لشکر کفار پر چڑھائی کرو اور ان پر قابو پاجاؤ اور وہ لا الٰہ الا اللہ کہہ دیں خواہ محض جان بچانے کے لیے ہی کہیں اور تم کو قرائن سے معلوم بھی ہوجائے کہ محض دھوکے سے لا الٰہ الا اللہ کہہ رہے ہیں جب بھی حکم ہے کہ ان کو چھوڑ دو قتل مت کرو ورنہ گنہگار ہوگے۔ کوئی کسی مذہب میں بھی اتنی رعایت دکھا سکتا ہے ظاہر ہے کہ دشمن دیرینہ سال ہا سال کا دشمن صرف ایک لفظ سے معاً دوست نہیں ہوسکتا خصوصاً جب کہ قرائن سے یہ بھی معلوم ہو کہ یہ کلمہ محض دھوکہ دینے کو کہا گیا ہے مگر اسلام کو اپنے کلمہ کی قوت پر کچھ تو بھروسہ ہے جو اس کی زبان سے نکلتے ہی دشمن کو چھوڑ دینے اور دوست بنانے کا حکم ہے۔ اس میں عملاً یہ بتلا دیا گیا کہ اسلام کو ظاہری تدابیر کی ضرورت نہیں، اس کی قوت خود بہت کامل ہے کسی کے دھوکہ کی اس کو پرواہ نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اپنے ذاتی انوار و برکات کی وجہ سے پھیلا ہے، اس کی ادائیں ہی ایسی دلکش ہیں کہ قلوب کو کھینچ لیتی ہیں۔ اس کے محاسن کو دیکھ کر لوگ خود بخود مسلمان ہوتے رہے، کسی نے زور زبردستی نہیں کی۔ پس ثابت ہوگیا کہ اسلام بزور شمشیر نہیں پھیلا بلکہ اپنے حسن وخوبی سے پھیلا ہے اور وہ اب بھی علیٰ حالہٖ (۳) باقی ہے۔

ہنوز آں ابر رحمت درفشان ست خم وخمخانہ بامہر و نشان ست(۴)

بھلا جس مذہب نے اتنی بڑی سِپَہ (۵) دشمن کے ہاتھ میں دے رکھی ہو کہ زبان سے ایک کلمہ کہنے پر فوراً چھوڑ دیئے جاؤ گے کیا وہ مذہب بجبر پھیل سکتا ہے؟۔ جبر کی اس میں گنجائش ہی کہاں ہے۔ ہر کافر تقیہ کرکے کلمہ پڑھ کر قتل سے بچ سکتا ہے اور پھر قدرت کے وقت اپنے مذہب سابق پر عود کرسکتا ہے۔ آخر اس کی کیا وجہ کہ جن لوگوں نے بقول معترضین کے جبراً اسلام کو قبول کیا تھا وہ ساری عمر کو اس جبر کے پابند کیوں ہوگئے۔ موقع پاکر آزاد ہوکر پھر اپنے پہلے مذہب پر کیوں نہ چلے گئے؟ کچھ نہیں یہ محض خیال ہی خیال ہے۔ درحقیقت اسلام کا حسن ہی ایسا ہے کہ اس کی جھلک دیکھنے

(۱) قتل کرنا (۲) جنتی (۳) وہ خوبی آج بھی ویسی ہی ہے (۴) ''اب بھی وہ ابر رحمت درفشاں ہے خم وخمخانہ مہر ونشان کے ساتھ موجود ہے'' (۵) ڈھال۔

کے بعد نہ ماننا دشوار ہے۔ میں نے جو اس آریہ لیکچرار کا قصہ بیان کیا ہے کہ اس نے اپنے اخلاق کی کمزوری اور اسلام کی خوبی کو خود ہی تسلیم کیا، یہ اس کی زبان سے کس نے کہلوایا، اسلام ہی کی تعلیم نے۔ اسی واسطے میں کہتا ہوں کہ کفار کے سامنے اسلام کی خوبیاں بیان کرو، جنگ وجدال وبحث مباحثہ کی ضرورت نہیں، کیا اس کے محاسن کم ہیں جو ان کو چھوڑ کر جنگ وجدال میں مشغول ہوں۔ اس کے حسن ہی کے بیان کرنے سے فرصت نہیں مل سکتی۔ پھر لڑائی جھگڑے کی فرصت کب مل سکتی ہے۔ مگر ہماری خود آنکھیں نہیں ہیں۔ اس لیے وہ محاسن خود ہم کو نظر نہیں آتے، دوسروں کے سامنے کیا پیش کرتے۔

اسلام کی خوبیوں کی ناقدری کرنے میں ہماری مثال

اب ہماری ایسی مثال ہوگئی جیسے ایک نہایت حسین جمیل عورت ہے جس کی نظیر دنیا میں نہیں۔ مگر اس کا شوہر اندھا ہے، وہ بے چاری حسرت سے رو رہی ہے کہ ہائے مجھ میں تو یہ حسن وجمال اور اس کا کوئی قدردان نہیں۔ وہ یہ بھی کہتی ہے کہ غیر تو کیا سمجھیں اور کیا قدردانی کریں گے غیر کے لیے تو نظر بھی حلال نہیں، وہ تو دیکھ بھی نہیں سکتے خود شوہر جس کے لیے دیکھنا حلال تھا وہی اندھا ہے اور اندھا بھی ایسا کہ جس کو بالکل حس ہی نہیں۔ کیونکہ بعضے اندھے بھی کسی طریقہ سے حسن کا پتہ لگا لیتے ہیں۔ مثلاً جس کی آواز اچھی ہو تو سمجھتے ہیں کہ یہ بڑا حسین ہے خواہ وہ بالکل ہی بدصورت ہو، چیچک رو ہو(۱)۔ مشہور ہے کہ ایک اندھے نے کہا یہ شہر بڑا اچھا ہے، کسی نے پوچھا کہ تجھے کیسے معلوم ہوا، اچھے برے کو تو کیا جانے۔ کہا اس کی سڑک ہموار ہے، عمارات چکنی چکنی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ شہر بھی اچھا ہے۔ اسی طرح اندھے سمجھتے ہیں کہ جس کی آواز اچھی ہو وہ خود بھی اچھا ہے مگر ہم ایسے اندھے ہیں کہ ہم کو اسلام کی خوبیاں کسی طرح بھی نظر نہیں آتیں ورنہ اس کا حسن تو ایسا تھا۔

دامان نگہ تنگ گل حسن تو بسیار گل چین بہار تو ز دامان گلہ دار(۲)

(۱) چہرے پر چیچک کے داغ ہوں (۲) ''نگاہ کا دامن تنگ ہے اور تیرے پھول کثرت سے ہیں اس لیے تیری بہار کا حسن گل چین اپنی تنگی داماں کا گلہ رکھتا ہے''۔

گلستان میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص کے ایک لڑکی تھی بہت بدصورت اور داماد اندھا تھا۔ اتفاق سے ایک آنکھ بنانے والا وارد ہوگیا لوگوں نے کہا کہ اپنے داماد کا علاج کیوں نہیں کرا لیتے۔ کہنے لگا اگر وہ اچھا ہوگیا تو میری لڑکی کو ضرور طلاق دے دے گا۔ تو اگر ہمارا اسلام بدشکل ہوتا تو دیکھنے والوں کی آنکھیں بننے سے ڈر لگنا بھی تعجب نہ تھا۔ مگر اسلام تو ایسا حسین ہے جس کے برابر دنیا میں کوئی حسین نہیں مگر اس کا قدردان کوئی نہیں اس کے حسن کی کسی کو خبر بھی نہیں اور غیر تو کیا جانتے خود مسلمان بھی نہیں جانتے۔

مفاسدِ چندہ

بس اب تو یہ رہ گیا ہے کہ کوئی صاحب لیکچر دینے کو کھڑے ہوگئے صدقات کے کچھ فضائل یاد کر لیے اور لمبی چوڑی تقریر کر کے غریبوں سے روپیہ وصول کر لیا۔ کوئی ان سے پوچھے کہ تم نے کیا دیا آخر تم کو بھی کچھ دینا چاہیے یا اوروں سے ہی لوٹ کھسوٹ لینا سیکھ لیا ہے اور خود ایک پیسہ بھی داخل کرنا نہیں جانتے۔ عارف شیرازی ایسے ہی لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں جو اوروں سے تو کہنے کو موجود ہوں اور خود کنارہ کش۔

واعظان کیں جلوہ بر محراب ومنبر میکنند　　چوں بخلوت میر سند این کار دیگر میکنند
مشکلے دارم زدانشمند مجلس باز پرس　　توبہ فرمایان چراخود توبہ کمتر میکنند (۱)

دوسرے کو تو کہتے ہیں کہ ایک پیسہ دو گے تو سات سو پیسے ملیں گے۔ کیوں مولانا اور کیوں لیڈر وکیا اس انفاق میں کچھ تخصیص بھی ہے غرباء کی کہ خیر خیرات غرباء ہی کے ذمہ ہے آپ کی جیب سے کبھی ایک پیسہ کیوں نہیں نکلتا؟ ہاں ایک اعتبار سے البتہ تخصیص ہے یعنی مال کے حلال ہونے کے اعتبار سے کہ حلال مال غرباء ہی کا ہے اور ان کا مال ایسا نہیں ہے۔ ایک مولوی صاحب وعظ میں صدقہ کی فضیلت بیان کر رہے تھے کہ اس کی یوں فضیلت آئی ہے اور یوں ثواب آیا ہے۔ وعظ کہہ کر جب گھر آئے تو دیکھا

(۱) ''واعظ حضرات جو محراب ومنبر پر رونق افروز ہو کر اعمال صالحہ کی تلقین کرتے ہیں مگر جب خود خلوت میں پہنچتے ہیں دوسرے کام کرتے ہیں مشکل یہ درپیش ہے کہ کسی عقل مند سے پوچھو کہ دوسروں کو توبہ کی تلقین کرنے والے خود توبہ کیوں نہیں کرتے''۔

کہ عورت سر سے پیر تک ننگی بیٹھی ہے اس نے سب زیورات صدقہ کر دیئے۔ آپ نے پوچھا آج ننگی کیسی ہو زیورات کہاں گئے۔ کہا اجی میں نے سب کو صدقہ کر دیا۔ تم وعظ میں کہہ بھی رہے تھے کہ صدقہ کی یہ فضیلت ہے یہ ثواب ہے۔ کہنے لگے بے وقوف وعظ ہم نے لینے کے واسطے کہا تھا یا دینے کے لیے۔ ہاں جی مولانا کا یہی احسان ہے کہ راستہ بتلا کر ہمارا مال لے لیا ورنہ ہمارا مال کون لیتا اور ثواب کیسے ہوتا لاحول ولاقوۃ لوگوں میں کچھ حس ہی نہیں رہی۔ خدا کے لیے تبلیغ میں تو کبھی چندہ کا نام ہی نہ لو۔ لوگ اس سے بہت گھبرا گئے ہیں۔ ان کے خیالات خراب ہو گئے ہیں کیونکہ بہت لوگ انجمنوں اور مساجد کے نام سے چندہ لے کر کھا گئے اس سے لوگ بدظن ہو گئے ہیں۔ ہر جگہ چندہ ہر جگہ چندہ لیکچر ختم ہونے نہیں پاتا کہ چندہ لاؤ۔

اکبر مرحوم نے خوب کہا ہے۔ در پس ہر لیکچر آخر چندہ ایست

انہوں نے ترمیم کی ہے مولانا کے اس شعر میں۔ در پس ہر گریہ آخر خندہ ایست

انہوں نے اس کو اس طرح بنایا۔ در پس ہر لیکچر آخر چندہ ایست

اور دوسرا مصرعہ اصل شعر کا یہ تھا۔ مرد آخر بین مبارک بندہ ایست

اس کو میں نے یوں بنایا۔ مردا خور بیں مبارک بندہ ایست

انہوں نے مجھ سے خود کہا کہ ہم نے علماء کے تو ایسے وعظ بہت سنے جن میں چندہ نہیں مانگا گیا۔ مگر لیکچر ایک بھی ایسا نہیں سنا کہ جس کے بعد چندا نہ ہوا ہو۔ دوسرے ایک فرق اور بھی ہے کہ مولوی تو بے چارے چندہ میں چار پیسے بھی لے لیتے ہیں اور وہ چار سو پر بھی خوش نہیں ہوتے۔ اس کے علاوہ اگر مولوی لے کر کھالیں تو ان کے گلے سے نکال بھی سکتے ہیں اور یہاں تو لینا کیا معنی وہ تمہارے ہاتھ کو بھی چبالیں۔

مبلغین کی اعانت کا طریقہ

بس ان مفاسد کے ہوتے ہوئے اس چندہ کی مد کو حذف کرو اور اگر کام کرنا ہو تو میرے نزدیک بجائے عام چندہ جمع کرنے کے اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ایک ایک شخص ہی ایک ایک مبلغ کی تنخواہ مقرر کر دے اور اپنے متعلق انتظام رکھے اور جن کو

زیادہ وسعت نہ ہو وہ دو دو چار چار دس دس پانچ پانچ ہم خیال اور ہم مشرب مل کر ایک مبلغ کا خرچ برداشت کرلیں اور کسی عالم کو مبلغ مقرر کرلیں اپنے ہی متعلق حساب کتاب رکھیں، پھر نہ خیانت کا ڈر ہے نہ غبن کا خوف البتہ مبلغ کسی عالم کی رائے سے منتخب کرلیں، اس میں خودرائی نہ کریں، کسی عالم سے پوچھ لیں کہ ہمارے پاس سرمایہ موجود ہے۔ آپ بتلایئے کون مبلغ اس کام کے لائق ہے۔ آپ تجویز کردیجئے۔ ہم خود اس کا خرچ دیں گے۔ یہ صورت بہت اچھی ہے جس پر روساء بلاواسطہ کسی انجمن وغیرہ کے خود بھی عمل کرسکتے ہیں۔ پھر کسی انجمن یا کسی مولوی لیڈر کو گالیاں بھی نہ دے سکیں گے مگر سب سے زیادہ اہم یہ ہے کہ جن سے یہ کام لیا جاوے وہ اس کے اہل ہوں، ایسوں کو خدمت دین کی سپرد نہ کرو۔ جن سے اصلاح کی توقع نہیں۔ دوسرے کو جو ہدایت کرے گا پہلے وہ خود بھی تو متبع شریعت ہونا چاہیے۔

نااہل مبلغ

الٰہی توبہ الٰہی توبہ کل ہی دہلی میں مغرب کے وقت کسی انجمن کی طرف سے ایک صاحب فخر المساجد میں آئے۔ انہوں نے کچھ کہنا چاہا۔ صاحبو! ذرا ٹھہر جانا مجھے دو ایک بات سنانی ہے۔ لوگ کچھ جانے لگے، بعض نماز پڑھ رہے تھے آپ تقریر کے لیے آگے بڑھے بھلے مانس نے یہ بھی خیال نہ کیا کہ اس سے نمازیوں کا دل بٹے گا۔ بعض آدمیوں نے روک دیا کہ یہاں سب مسافر ہیں کچھ ملنے ملانے کا نہیں، نماز پڑھنے دو۔ خیر وہ ذرا رُکے پھر جوش اٹھا اور مصلے کے پاس کھڑے ہوگئے پھر روکا گیا۔ غرض دو تین دفعہ ایسے ہی کیا۔ آخر میں ناخوش ہوکر طعن سے کہتے ہیں۔ افسوس میں تو اب تک سمجھتا تھا کہ مغرب کی نماز کی تین رکعتیں ہیں۔ اب معلوم ہوا کہ بارہ رکعت ہیں۔ مطلب یہ کہ اتنی لمبی پڑھی جارہی ہے کہ مجھ کو تقریر کا وقت ہی نہیں ملتا۔ غرض اس نے بہت ہی چاہا۔ تقریر کرنے کو مگر ایک نہ چلی اور خیر سے آپ کا لباس بھی شریعت کے موافق نہیں تھا۔ کوٹ پتلون پہنے ہوئے تھے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اس کی تحریک کے لیے آئے تھے کہ ہندوؤں سے کوئی چیز نہ خریدی جائے اور علماء کا حکم تھا کہ اس کی تبلیغ کریں۔

سبحان اللہ آپ علماء کے سردار ہیں۔ آپ ہی علماء کو رائے دینے کے لیے رہ گئے ہیں۔ گویا آپ اعلم العلماء ہیں۔ افسوس آج کل زعماء اسلام ایسے لوگ رہ گئے جن کو نہ شریعت کی خبر، نہ حلال وحرام کی پرواہ، نہ لباس شرع کے موافق، نہ وضع مسلمانوں کی سی ایسی حالت میں کیا کامیابی ہو۔ بس وہی حالت ہے۔

گر بہ میر و سگ وزیر و موش را دیوان کنند ایں چنیں ارکان دولت ملک را ویران کنند (۱)

نماز تک نہیں پڑھتے اور عمائد اسلام بنے ہوئے ہیں۔ صاحبو! اسلام کی خدمت خدمت کے قاعدہ سے کرو اور اس وقت تبلیغ اسلام کی سخت حاجت ہے اس کے لیے اٹھ کھڑے ہو۔ اس کے آداب میں نے بتلادیئے ہیں۔ اب پھر مکرر عرض کرتا ہوں کہ مبلغین کی خرچ میں مدد کرو مگر اپنے انتخاب سے کسی کو مبلغ مت بناؤ۔ نہ اپنی رائے سے کام تجویز کرو۔ علماء سے پوچھو کہ ہمیں کیا کام کرنا چاہیے اور اس کا کیا طریق ہے تو علماء سے یہ کام لو، باقی روپیہ جمع کرنے کی مولویوں سے درخواست مت کرو کہ وہ بھیک مانگ مانگ کر تمہیں لاکر دیں۔ اب تو میں علماء کو رائے دیتا ہوں کہ ترغیب چندہ بھی نہ کریں۔ چندہ ہی کی بدولت علماء عوام کی نظروں میں ذلیل وخوار ہوتے جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ اس وقت ترغیب اسلام کی سخت ضرورت ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ اس میں سب حصہ لیں اور اسلام کی خوبیاں بیان کرکر کے لوگوں کو اسلام سے مانوس کریں۔ باقی لڑائی جھگڑے سے اکثر وحشت بڑھتی ہے۔ اس کو ترک کریں۔

ترجمہ وتفسیر آیت

اب میں ترجمہ پر بیان کو ختم کرتا ہوں۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ (۲) کہ آج کے دن کفار تمہارے دین سے مایوس ہوگئے یعنی اس بات سے کہ اس کو مٹائیں یا اس پر غالب آجائیں۔ یہاں بدل اشتمال محذوف ہے ای الیوم یئس الذین کفروا من دینکم ان

(۱) ”بلی امیر، کتا وزیر اور چوہا دیوان مقرر ہو، جب ایسے ارکان سلطنت ہوں تو ملک کو کیوں نہ ویران کریں گے“ (۲) سورۃ المائدۃ: ۳۔

یغلبوہ یا ان یمحقوہ کے اور وہ کیوں مایوس ہوئے؟ لکثرۃ شیوعہ ولنصرتہ تعالی یعنی بحمداللہ اس وقت اسلام اس قدر پھیل گیا ہے عادت الٰہیہ میں اب مٹ نہیں سکتا اور نیز اللہ تعالیٰ نے وعدہ بھی فرمالیا ہے کہ یہ قیامت تک قائم رہے گا۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے چند دعائیں کی تھیں کہ میری امت ہلاک نہ ہو یہ دعا قبول ہوگئی۔ دوسری یہ دعا کی تھی کہ اس پر قحط مہلک نہ ہو یہ بھی دعا قبول ہوئی۔ تو اس میں وعدہ ہوگیا قیامت تک بقاء دین کا۔ تیسرے یہ کہ میری امت میں نااتفاقی نہ ہو یہ قبول نہ ہوئی تو فرماتے ہیں کہ آج کے دن کفار مایوس ہوگئے تمہارے دین سے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حدیث میں ہے کہ وہ دن حجۃ الوداع کا تھا یعنی نویں تاریخ ذی الحجہ کو عرفہ کے میدان میں جمعہ کے روز نازل ہوئی وقت بھی عصر کا تھا۔ تو گویا جب یہ آیت نازل ہوئی وہ وقت تقریباً سال کا بھی آخر تھا، ہفتہ کا بھی آخر تھا، دن کا بھی آخر تھا، حضور ﷺ کی عمر شریف کا بھی آخر تھا، کیونکہ حجۃ الوداع کے بعد محرم، صفر اور ربیع الاول کی چند تاریخوں تک آپ زندہ رہے۔

حقیقت عید

کسی یہودی نے حضرت عمرؓ سے کہا تھا کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید مناتے۔ پہلے یہ مرض یہودیوں میں تھا۔ اب مسلمانوں میں بھی یہ مرض ہوگیا ہے کہ ہر بات کی یادگار میں عید کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ آیت کہاں نازل ہوئی اور کس جگہ نازل ہوئی یعنی عرفات میں حجۃ الوداع میں جمعہ کے روز نازل ہوئی ہے۔ مطلب یہ تھا کہ جہاں یہ آیت نازل ہوئی ہے وہ مقام ہمیشہ سے من جانب اللہ جائے عید ہے اور جس وقت نازل ہوئی ہے وہ زمانہ بھی من جانب اللہ عید کا ہے۔ ہمیں اور عید کی ضرورت نہیں۔ بس یہی عید کافی ہے یہ تو حقیقت تھی جو حضرت عمرؓ نے ظاہر فرمادی۔ مگر اب مسلمانوں میں ایک یہ رسم پیدا ہوگئی ہے کہ وہ یہود کی طرح ہر بات کی عید اور ہر چیز کی ایک یادگار بنانا چاہتے ہیں۔ یاد رکھو یہ ابتداع فی الدین ہے(۱)۔

(۱) دین میں بدعت کی ایجاد ہے۔

جن ایام کو شریعت نے عید بنا دیا ہے ان کے علاوہ کسی دن کو عید بنانا حرام و بدعت ہے۔ اور پہلے تو صرف یادگار کا یہی طریقہ تھا کہ اس دن کو عید بناتے تھے حتی کہ کسی کے مرنے کے دن کو بھی عرس کا دن بناتے تھے۔ اور اب اس کے علاوہ ایک اور نئی ایجاد ہوئی ہے کہ یادگار کے لیے ہڑتال کر دیتے ہیں۔ نہ معلوم یہ ہڑتال کیسا نام ہے، ہڑتال سے تو بال صاف کئے جاتے ہیں ہڑتال تو ان کی اور سر منڈتا ہے غریبوں اور مزدوروں کا کہ وہ بیچارے اس دن کھائیں کہاں سے کمائیں کیسے۔ کیونکہ اس دن بازار اور تمام کاروبار بند ہوجاتا ہے۔ جس سے غریبوں اور مزدوروں کو بیحد تکلیف ہوتی ہے مگر ان کو اس کی ذرا پرواہ نہیں۔

یہ رسم بھی بعض کفار ہی سے لی ہے۔ نہ معلوم مسلمانوں میں اتباع طریقہ کفار کا اتنا شوق کیوں پیدا ہوگیا۔ اپنے بزرگوں کی حالت نہیں دیکھتے کہ وہ کیا کر گئے ہیں۔

حقیقت آخر

اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی اس وقت سال کا آخر تھا، ہفتہ کا آخر تھا، دن کا بھی آخر تھا، حضور ﷺ کی عمر کا بھی آخر تھا۔ ان سب چیزوں کا آخر تھا۔ اس کے متعلق ایک بات طالب علموں کے کام کی ہے وہ بھی عرض کرتا ہوں کہ اس آخر سے آخر حقیقی مراد نہیں بلکہ قریب آخر کے مراد ہے۔ چنانچہ سال بھی قریب آخر کے تھا۔ حضور ﷺ کی عمر بھی قریب آخر کے تھی، دن بھی قریب آخر کے تھا اور جیسے یہ چیزیں قریب آخر کے تھیں اسی طرح اس آیت کو بھی جو آخر آیات کہا جاتا ہے وہ بھی قریب آخر کے ہے آخر حقیقی نہیں۔ چنانچہ اس کے بعد فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ نازل ہوئی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ پس جو شخص شدت کی بھوک میں بے تاب ہوجائے۔ بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے رحم کرنے والے ہیں۔ تو ان سب میں آخر حقیقی مراد نہیں ہے بلکہ قریب آخر مراد ہے۔ اور مجھے اس سے ایک فائدہ نکالنا مقصود ہے وہ یہ کہ یہاں پر ایک اشکال ہے وہ یہ کہ جب دین کامل اور تام ہوچکا تو پھر یہ حکم

اضطرار اور مخمصہ کا، اس کے بعد کیسا اور اس کا یہ جواب نہیں دیا جاسکتا ہے کہ احکام کے بارے میں جو آیتیں نازل ہوئی ہیں ان میں یہ آخر ہے اس کے بعد کوئی اور حکم نازل نہیں ہوا۔ کیونکہ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ (۱) الآیۃ تو احکام ہی میں سے ہے اور یہ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ (۲) الآیۃ کے بعد میں نازل ہوئی ہے۔ تو پھر آخر کہاں ہوا پس جواب صحیح وہی ہے جو میں نے کہا ہے کہ آخر سے مراد قریب آخر ہے اس پر کوئی خدشہ نہیں وارد ہوتا۔ مشکل یہ ہے کہ لوگ قرآن کو اصطلاحات منطقیہ پر اتارتے ہیں، محاورہ کو نہیں دیکھتے۔ محاورہ میں قریب آخر کو بھی آخر کہا جاتا ہے مثلاً کوئی کسی دوست سے ملنے جاتا ہے تو کہتا ہے اب تمہارے ساتھ میری یہ آخری ملاقات ہے اور اس کے بعد دو گھنٹہ تک بیٹھا رہتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اَلْيَوْمَ سے مراد خاص آج ہی کا دن نہیں جس پر یہ شبہ ہو کہ جب آج اکمال دین ہو گیا تو اس کے بعد کوئی حکم نازل نہ ہونا چاہیے اور آیات احکام میں یہ آخری آیت اور آخر احکام ہونا چاہیے۔ سو یہ شبہ اس لیے وارد نہیں ہوتا کہ اَلْيَوْمَ سے مراد خاص آج ہی کا دن نہیں بلکہ اَلْيَوْمَ سے مراد زمانہ حاضرہ مع متصل ما قبل و مابعد کے ہے اور محاورہ میں اس مجموعہ کو زمانہ حاضرہ ہی کہا جاتا ہے بس کسی حکم کا اس کے بعد نازل ہونا مگر نزول متصلاً باتصال حقیقی جیسا فَمَنِ اضْطُرَّ (پس جو شخص بے قرار ہو جائے) متصل ہے یا باتصال عرفی جیسا اگر کسی دوسرے حکم کا نزول اس کے بعد ہو جاوے یہ اکمال بزمانہ حاضرہ کے منافی نہیں۔

اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرو

الغرض حق تعالیٰ فرماتے ہیں اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا (کہ آج سے کافر مایوس ہو گئے) تمہارے دین سے کہ اس کو مٹا دیں یا اس پر غالب آویں جب یہ بات ہے فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ (ان سے مت ڈرو صرف مجھ سے ڈرو) تو تم ان سے ڈرو مت تمہارا کچھ کر نہیں سکتے۔ اگر اسلام سے تم کو محبت ہے تو اس میں پختہ رہو، کسی سے مت ڈرو۔

افسوس اب بہت لوگوں کو دعویٰ ہے محبت اسلام کا اور کفار سے ڈر کر ان سے

(۱) ''جو شخص شدت بھوک سے بے تاب ہو جائے'' (۲) ''آج کے دن میں نے تم پر اپنا دین مکمل کر دیا''

دوستی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ ساتھ نہ ہوں تو ہمارا دین قائم نہیں رہ سکتا اس لیے ان سے مدد لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کا رد فرماتا ہے کہ اب وہ تمہارے دین سے مایوس ہوگئے۔ پھر تم کیوں ڈرتے ہو۔ افسوس کفار تو سمجھ گئے کہ ہم اس دین کو دنیا سے نہیں مٹا سکتے۔ چنانچہ ان کا یاس اس سمجھنے کی دلیل ہے اور مسلمان نہیں سمجھتے۔ پس ارشاد ہے فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ تو تم ان سے مت ڈرو۔ مجھ سے ڈرو یعنی ان کی خوشامد میں شریعت کے خلاف نہ کرو، دین کو تباہ مت کرو، کوئی اس دین کو مٹا ہی نہیں سکتا۔ اسلام تو وہ چیز ہے کہ

چراغے راکہ ایزد بر فروزد ہر آنکس تف زندریشش بسوزد(۱)

کیا یہ اسلام کا معجزہ نہیں کہ فتنہ تاتار میں چنگیز خان نے اپنے نزدیک اسلام کو فنا کر دیا تھا کیونکہ خلافت کی جڑ اکھاڑ دی تھی۔ مگر یہ اس کی حماقت تھی کہ خلافت کے مٹانے کو اسلام کا مٹانا سمجھا۔ آخر خلافت کیا ہے وہ تو اسلام کی ایک شاخ ہے۔ خدانخواستہ خلافت کے مٹ جانے سے اسلام نہیں مٹ سکتا۔ بلکہ کبھی پیڑ کی ایک شاخ کٹنے سے ایک اور شاخ نکل آتی ہے جو پہلی شاخ سے اچھی ہوتی ہے۔ خلافت تو فرع ہے اسلام کی۔ اس کے جانے سے کہیں اسلام مٹ سکتا ہے؟ غرض چنگیز نے خلافت کی جڑ کاٹ ڈالی تھی مگر خدا نے یہ کیا کہ جنہوں نے اسلام کو مٹانا چاہا تھا، انہیں سے اسلام کی خدمت کرائی۔ چنانچہ وہی اب اسلام کو مخالفین کے حملوں سے بچا رہے ہیں۔ یعنی ترک جو چنگیز خان کی اولاد اور خاندان اور قوم سے ہیں۔ میں نے بعض مورخین سے سنا ہے کہ اس وقت روئے زمین پر کوئی ترک نہیں جو مسلمان نہ ہو۔ اور انہوں نے اتنی بڑی خدمت اسلام کی ہے جس سے لوگوں کو ان کے متعلق گمان ہوگیا خلافت کا کہ وہ خلیفہ ہیں اسی لیے کہتے ہیں۔

چراغے راکہ ایزد بر فروزد ہر آنکس تف زندریشش بسوزد(۲)

اور یاد رکھو جس دن یہ ڈوبے گا اس دن سب ڈوب جائیں گے۔ اسلام وہ مذہب نہیں جو دنیا سے تنہا رخصت ہو بلکہ اس کا مٹنا تمام مذاہب اور تمام عالم کا مٹنا ہے اس

(۱) ''جس چراغ کو اللہ تعالیٰ روشن کریں جو شخص اس میں پھونک مارے گا اس کی ڈاڑھی جل جائے گی''

(۲) ''جس چراغ کو خدا روشن کرے وہ گل نہ ہوگا۔ اس کی بیخ کنی کوئی کر ہی نہیں سکتا''۔

کی تو وہ شان ہے کہ

ہم تو ڈوبیں گے مگر تم کو بھی لے ڈوبیں گے

دنیا کب فنا ہوگی

صاحبو! جس روز اسلام نہ رہے گا اس دن عالم فنا ہوجائے گا، اور راز اس کا یہ ہے کہ اگر کسی شہر میں سب باغی نہ ہوں بلکہ مطیع بھی ہوں تو بادشاہ ایک طرف سے اس شہر کو نہیں اڑایا کرتے پہلے مطیعین کو وہاں سے الگ کرتا ہے پھر شہر کو اڑاتا ہے تو جب تک شہر میں مطیعین موجود ہیں اس وقت تک اطمینان رہتا ہے کہ یہ شہر ابھی نہیں اڑایا جائے گا اور جس دن مطیعین کو وہاں سے الگ کرلیا جائے پھر بستی کی خیر نہیں کیونکہ اب اس میں سارے باغی ہی باغی ہیں۔ کوئی ایسا نہیں جس کی رعایت سے شہر کو باقی رکھا جائے۔ چنانچہ قرآن میں لوط علیہ السلام کے قصہ میں بھی اسی اصل کا ذکر ہے وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ إِبْرَٰهِيمَ بِٱلْبُشْرَىٰ قَالُوٓاْ إِنَّا مُهْلِكُوٓاْ أَهْلِ هَٰذِهِ ٱلْقَرْيَةِ إِنَّ أَهْلَهَا كَانُواْ ظَٰلِمِينَ (۱) قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ ان میں لوط علیہ السلام بھی تو موجود ہیں، اس حالت میں بستی کو کیسے ہلاک کروگے قَالُواْ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَن فِيهَا فرشتوں نے کہا کہ جو وہاں رہتے ہیں ہم کو سب معلوم ہیں لَنُنَجِّيَنَّهُۥ وَأَهْلَهُۥٓ إِلَّا ٱمْرَأَتَهُۥ كَانَتْ مِنَ ٱلْغَٰبِرِينَ (۲) مگر ان کی عورت کو کیونکہ وہ بھی نافرمانوں میں تھی۔ دوسری جگہ اس تجیہ (۳) کی صورت فرماتے ہیں فَأَخْرَجْنَا مَن كَانَ فِيهَا مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٥﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ ٱلْمُسْلِمِينَ (۴) غرض یہ خدا کی رحمت ہے کہ اگر کسی بستی میں ایک مطیع بھی موجود ہو، تو وہاں قہر عام نازل نہیں فرماتے یہ ان کی عنایت ہے رحمت ہے۔ جب یہ سمجھ گئے تو اگر دنیا میں ایک اللہ اللہ کہنے والا بھی موجود ہوگا تو حق تعالیٰ عالم کو فنا نہ کریں گے عالم باقی رہے گا۔ اور اگر ایک بھی مسلمان نہ

(۱) ''اور ابراہیم علیہ السلام سے فرشتوں نے کہا کہ ہم اس بستی کے باشندوں کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ کیونکہ وہاں کے باشندے بڑے ظالم وشریر ہیں'' العنکبوت: ۳۱ (۲) ''ہم ان کو اور ان کے خاص متعلقین متبعین کو بچالیں گے'' سورۃ العنکبوت: ۳۲ (۳) اس بچانے کی صورت (۴) ''کہ ہم نے جتنے ایماندار تھے سب کو وہاں سے نکال دیا علیحدہ کردیا اور مسلمانوں کا بجز ایک گھر کے اور کوئی گھر نہ پایا جب ان کو الگ کردیا اب قہر خدا نازل ہوا'' سورۃ الذاریات: ۳۵، ۳۶۔

رہے تو پھر اسی دم عالم کو فنا کر دیں گے جب بقائے عالم اور بقائے اہل عالم اسلام پر موقوف ہے تو تمام دنیا کو اس کی خوشامد کرنا چاہیے نہ کہ مسلمان کسی کی خوشامد کریں، اس لیے فرماتے ہیں فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ یعنی کفار کی خوشامد کر کے اور ان سے دوستی بڑھا کر اسلام کو مت کھو بیٹھو۔ ہماری خوشامد کرو ہم سے ڈرو وہ ہیں کیا چیز۔

اثبات احکام

آگے اس کے بعد فرماتے ہیں اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي الآیۃ۔ اب ہم نے دین کو کامل کر دیا، دین ایسا کامل ہو گیا کہ اس کو دیکھ کر کسی کی ہمت نہ ہوگی اس کے مٹانے کی۔ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي یعنی تم پر نعمت پوری کر دی۔ دو اعتبار سے ایک قوت سے دوسرے قواعد واحکام سے۔ قوت کے اعتبار سے تو اتنا مضبوط کر دیا کہ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا اب کفار مایوس ہو گئے ان کے اندر اتنی قوت نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکیں۔ سو اب اس کو مٹانے کی ان کو ہمت نہ ہوگی اور قواعد کے اعتبار سے اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ الآیۃ یعنی قواعد واحکام کے اعتبار سے اتنا کامل کر دیا کہ قیامت تک کے جتنے احکام ہیں سب اس سے نکل سکتے ہیں کوئی حادثہ ایسا پیش نہ آوے گا جس کا حکم اس میں نہ ملے اگر کوئی کہے پھر اور دلائل کی کیا ضرورت ہے حدیث واجماع امت وقیاس تو یہ بات نہیں۔ حدیث تو خود دین کا جزو ہے اور دِينَكُمْ میں داخل ہے دِينَكُمْ کا مقابل نہیں باقی قیاس مظہر ہے مثبت نہیں (۱)، وہ احکام قیاسیہ بھی قرآن وحدیث ہی سے ثابت ہیں۔ رہا اجماع امت سو وہ اجماع کسی آیت یا حدیث ہی کے مضمون پر ہوتا ہے تو یہ سب حقیقت میں ایک ہی چیز ہوئے یعنی دین۔ صرف نام الگ الگ ہیں ایک لحاظ سے اس کا نام قرآن ہے اور ایک اعتبار سے حدیث، ایک اعتبار سے اجماع امت، ایک اعتبار سے قیاس۔

عباراتنا شتى وحسنك واحد وكل الى ذاك الجمال يشير

بہر رنگے کہ خواہی جامہ میپوش من از رفتار پایت می شناسم (۲)

(۱) قیاس سے حکم ظاہر ہوتا ہے ثابت نہیں ہوتا ثبوت تو قرآن وحدیث سے ہوتا ہے قیاس اس کو ظاہر کر دیتا ہے

(۲) ''ہماری عبارتیں مختلف ہیں اور تیرا حسن ایک ہے اور وہ سب تیرے حسن وجمال کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ جس رنگ کا چاہو لباس پہن لو، میں تمہاری رفتار کو پہچانتا ہوں''۔

یہ سب ایک ہی چیز ہے کسی وقت کسی رنگ میں ہے، کسی وقت کسی لباس میں اسی کی نسبت فرماتے ہیں اَلْیَوْمَ أَکْمَلْتُ لَکُمْ دِینَکُمْ الآیۃ یعنی تمہارے دین کو میں نے کامل کردیا اور اپنی نعمت پوری کردی ظاہراً بھی اور باطناً بھی کسی قسم کا نقص کوئی کمی اس میں نہیں رہی وَرَضِیتُ لَکُمُ الْإِسْلَامَ اور پسند کیا میں نے تمہارے لیے دین اسلام کو یہی دین خدا کے نزدیک مرضی اور پسندیدہ ہے۔

شبہ کا جواب

یہاں پر ایک شبہ ہوتا ہے وہ یہ کہ وَرَضِیتُ کا عطف ظاہر ہے کہ اکملت واتممت پر ہے اور معطوف علیہ مقید ہے اَلْیَوْمَ کے ساتھ یعنی اکمال اور اتمام دین اب ہوا۔ تو رَضِیتُ معطوف میں بھی وہ قید ہوگی۔ سو معطوف علیہ میں تو کچھ اشکال نہیں کیونکہ وہ واقعی ابھی متحقق ہوا لیکن رَضِیتُ میں کیا کہا جاوے گا۔ کیا یہ رضا بالاسلام بھی آج ہی ہوئی کیونکہ کیونکہ عطف کا مطلب تو یہی نکلتا ہے کہ جیسے اکمال واتمام اب ہوا ایسے ہی یہ رضا بالاسلام بھی ابھی ہوئی، حالانکہ اسلام کو ان کے لیے پسند کرنا پہلے سے ہے یہ اشکال ہے اسکا جواب بعض نے تو یہ دیا ہے کہ أَکْمَلْتُ پر عطف نہیں بلکہ الیوم پر ہے اب کوئی اشکال نہیں مگر یہ ضعیف توجیہ ہے کیونکہ اس میں متبادر کا ترک لازم آتا ہے۔ محققین کہتے ہیں کہ اس تکلیف کی ضرورت نہیں کہ اَلْیَوْمَ پر عطف ہے۔ بلکہ سہل تفسیر یہ ہے کہ یہاں آیۃ یعنی وَرَضِیتُ لَکُمُ الْإِسْلَامَ دِینًا تابیداً مطلب یہ کہ ہمیشہ کے لیے ہم نے اسی کو پسند کرلیا دنیا سے کبھی زائل نہ ہوگا کوئی اس کا مٹانے والا نہیں، کوئی اس کا ناسخ نہیں جیسے اور ادیان یکے بعد دیگرے منسوخ ہوتے گئے یہ ایسا نہ ہوگا ہمیشہ رہے گا۔ سو یہ خبر بقاء الی الیوم القیامۃ (۱) کی تصریحاً آج ہی ارشاد فرمائی گئی اگرچہ ختم نبوت کی خبر سے لزوماً یہ بھی معلوم ہوگیا تھا۔

ازالہ وہم

یہاں شاید کسی کو وہم ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام تو آخر زمانہ میں آویں گے اور وہ

(۱) قیامت تک اس کے باقی رہنے کی وضاحت کی گئی۔

اپنے خاص احکام جاری کریں گے۔ مثلاً جزیہ کا قانون اٹھادیں گے جو کہ حکم اسلامی ہے یا خنزیر کی نسل کو مٹادینے کا حکم فرمادیں گے اور یہ سب ظاہراً نسخ ہے۔ جواب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس حیثیت سے نہ آویں گے کہ ان کو اس وقت نئی نبوت یا شریعۃ اسلامیہ کے خلاف کوئی شریعت عطا ہوگی۔ لا نبی بعدی (الصحیح لمسلم، الامارۃ: ۴۴) یہی معنی ہیں کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی جدید نبوت نہیں۔ یعنی بعد حضور ﷺ کی وفات کے کسی کو جدید نبوت اور شریعۃ اسلامیہ کے خلاف کوئی شریعت عطا نہ ہوگی۔ یہ مطلب نہیں کہ کوئی پہلے کی نبوت عطا کیا ہوا نبی بھی شریعۃ اسلامیہ کا متبع ہوکر بھی دنیا میں نہ آوے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام تو پہلے سے نبی تھے اور شریعۃ اسلامیہ ہی کے تابع ہوکر تشریف لائیں گے ان کا حضور ﷺ کے بعد آنا اور متبع ہوکر آنا لا نبی بعدی کے خلاف نہیں۔ سو وہ آکر حضور ﷺ ہی کی شریعت کے موافق عمل کریں گے تو لا نبی کے یہ معنی نہیں کہ کوئی پرانا نبی حضور ﷺ کے دین کی خدمت کے لیے نہ آوے گا۔

غرض عیسیٰ علیہ السلام نازل بھی ہوں گے اور اس وقت نبی بھی ہوں گے، مگر اعطائے نبوت ان کے لیے پہلے ہوچکی ہے اور آپؑ نیابت کے طور پر آویں گے نہ کہ مستقل بن کر اور حاکم ہوکر بلکہ حضور ﷺ کے محکوم ہوکر آویں گے۔

اس میں تو حضور ﷺ کی اور فضیلت بڑھ گئی کہ نبی بھی حضور ﷺ کے خادم ہوں گے۔ حدیث میں ہے لو کان موسیٰ حیا لما وسعہ الا اتباعی (۱) کہ اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو وہ سوائے میرے اتباع کے اور کچھ نہ کرتے۔ آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا لسلبت نبوتہ کہ ان کی نبوت چھن جاتی بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ متبع ہوکر رہتے۔ غرض رَضِیتُ کے یہ معنی ہوئے کہ ہم نے ہمیشہ کے لیے اسی دین کو پسند کیا ہے پس حدیث میں جو ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوکر جزیہ کو موقوف کردیں گے اور اس وقت دو ہی باتیں رہ جاویں گی یا اسلام لاؤ یا قتال کرو تو وہ نسخ نہیں ہے بلکہ اس وقت کے لیے شریعت محمدیہ کا یہی قانون ہوگا جس کو عیسیٰ علیہ السلام جاری فرماویں گے۔ اور بڑے مزہ کا لطیفہ ہے کہ عیسائی لوگ مسئلہ جہاد کے اوپر اعتراض کرتے

(۱) الاسرار المرفوعۃ: ۸۳۔۲۹۲۔

ہیں کہ اسلام نے اس مد کو کیوں رکھا۔ میں کہتا ہوں کہ اپنے پیغمبر سے ہی پوچھیو وہ عنقریب آنے والے ہیں وَانتَظِرْ إِنَّهُم مُّنتَظِرُونَ (۱) حضور ﷺ نے تو پھر بھی تمہاری رعایت کی ہے کہ جزیہ دے کر بچا سکتے ہو۔ عیسیٰ علیہ السلام نے تو اس کی بھی پرواہ نہ کی۔ ان کے عہد میں دو ہی باتیں ہوں گی یا اسلام یا سیف، غرض عیسیٰ علیہ السلام حکم اسلامی قدیم کو منسوخ نہ فرماویں گے کہ پہلے جزیہ کا حکم تھا اور آپ اس کو اٹھاویں گے تا کہ ان کو ناسخ کہا جاوے۔

دوسرے شبہ کا جواب

پھر وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (اور میں نے تمہارے لیے دین اسلام پسند کیا) تابیدا پر شبہ کیا جاوے کہ تابید تو جب ہوتی کہ اسلام کا ہر حکم قیامت تک رہتا۔ سو جواب ظاہر ہے کہ اس حکم کو عیسیٰ علیہ السلام نے منسوخ نہیں کیا بلکہ حضور ﷺ ہی نے منسوخ کیا ہے۔ پس اس حدیث میں کہ یضع الجزیۃ خبر بمعنی انشاء ہے۔ یعنی حضور ﷺ ہی خود یہ حد مقرر کر گئے ہیں کہ اے عیسیٰ جب تم آؤ اس وقت کفار کے ساتھ یہ معاملہ برتنا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ طبیب نے کسی مریض کو مسہل دیا اور اس سے کہہ دیا کہ مسہل لینے کے بعد یہ ٹھنڈائی پیئے گا تو اب مریض جو ٹھنڈائی پیتا ہے یہ اس کی ایجاد نہیں بلکہ طبیب ہی کا کہنا پورا کرتا ہے طبیب ہی نے بتلا دیا تھا کہ تین روز کے بعد تبرید تجویز ہوگی۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کو حکم ہے کہ اس وقت آپ جزیہ کو موقوف کر دیں۔ عیسیٰ علیہ السلام اپنی طرف سے ایجاد نہیں کریں گے۔ بلکہ آپ ﷺ ہی کے فرمان کو بجالاویں گے غرض إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ (خدا کے نزدیک دین پسندیدہ اسلام ہی ہے) اور وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا کے معنی یہ ہیں کہ ہمیشہ یہی دین رہے گا۔

علمی نکتہ

آگے ایک نکتہ ہے اہل علم کے لیے وہ یہ کہ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ (جو شخص بھوک سے بے قرار ہو جائے) الآیۃ فِي مَخْمَصَةٍ کا حکم نازل فرما دیا اور پھر اس

(۱) تم انتظار کرو میں بھی منتظر ہوں۔

مضمون کو فاء کے ساتھ لائے جو ترتیب کے لیے آتا ہے تو بعض نے تو اس اشکال سے گھبرا کر یہ کہہ دیا کہ فاء ترتیب ذکری کے لیے ہے۔ ترتیب حکمی کے لیے نہیں۔ لہٰذا حکم کا مرتب ہونا اور مسلسل ہونا ضروری نہیں۔ مگر الحمدللہ میری سمجھ میں آ گیا ہے کہ یہاں پر فاء ترتیب حکمی ہی کے لیے ہے اور پھر بھی اشکال نہیں چنانچہ عنقریب مذکور ہوگا۔ باقی جن لوگوں نے فا کو ترتیب ذکری کے لیے قرار دیا ہے، ان پر ایک اشکال پھر بھی باقی رہتا ہے وہ یہ کہ اس مضمون کو ماقبل سے کیا جوڑ ہوا اس بے ربطی کا کیا جواب ہے۔ انہوں نے اس کا بھی ایک جواب دیا ہے وہ یہ کہ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (۱) یہ بیچ میں آ گیا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ (پس جو شخص شدت بھوک میں بے تاب ہوجائے) کا ربط اس کے ماقبل سے ہے کہ اول میں حلال وحرام چیزوں کا ذکر تھا حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَن تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ۚ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ (۲) یہ احکام حق تعالیٰ نے پہلے ذکر فرمائے ہیں۔ ان احکام کے ساتھ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ (جو شخص بھوک سے بے قرار ہوجائے) الخ مرتبط ہے کہ یہ چیزیں جو ہم نے بیان کی ہیں یہ ہیں تو حرام مگر مضطر کے لیے جائز ہیں۔ اور اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ بیچ میں جملہ معترضہ ہے اور جملہ معترضہ کو بھی اول سے کچھ مناسبت ہوتی ہے وہ مناسبت یہ ہے کہ دیکھو اسلام میں کیسے کیسے قواعد ہیں اور چونکہ خدا تعالیٰ کو اسلام کا اکمال مقصود ہے۔ اس لیے دیکھو اللہ میاں نے سارے ضروری احکام

(۱) ''آج کے دن تمہارے لیے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور تم پر میں نے اپنا انعام تام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین سننے کے لیے پسند کیا'' (۲) ''تم پر حرام کئے گئے ہیں مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو جانور غیر اللہ کے نام نامزد کر دیا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مرجائے اور جو اونچے سے گر کر مر جائے اور جو کسی ٹکر سے مرجائے اور جس کو کوئی درندہ کھانے لگے لیکن جس کو ذبح کر ڈالو اور جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جائے اور یہ کہ تقسیم کرو بذریعہ قرعہ کے تیروں کو۔ یہ سب گناہ ہیں'' سورۃ المائدہ: ۳۔

بتلادیئے تا کہ کسی طرح کمی نہ رہ جاوے۔ یہ تو مشہور جواب ہے۔

حضرت تھانویؒ کا جواب

اور میں کہتا ہوں کہ اگر فاء ترتیب حکمی ہی کے لیے ہو پھر بھی کچھ اشکال نہیں اور جو اشکال کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّإِثْمٍ (پس جو شخص بھوک سے بے قرار ہوجائے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اسکا میلان نہ ہو) کا ترتب اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ الخ (آج کے دن میں نے تمہارے دین کو مکمل کردیا) پر ہوسکتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے تمہارے دین کو مکمل کیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کیا اور تمہارے لیے اس دین کو ہمیشہ کے لیے پسند کیا۔ آگے ارشاد ہے فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ (جو شخص بھوک سے بے قرار ہوجائے) الخ یعنی ہم اتنے کامل، منعمۃ ہیں اور تم سے اتنے خوش ہیں اور ہماری اس قدر تم پر رحمت ہے کہ بعض حالات میں تمہاری راحت وسہولت ومصلحت کے لیے حرام کو بھی حلال کردیتے ہیں۔ اس پر فاء کا ترتب نہایت لطیف اور چسپاں ہوگیا۔ اور اس میں ایک اور لطیفہ بھی ہوگیا وہ یہ کہ اس میں اشارہ ہے۔ سبقت رحمتی علی غضبی (۱) کی طرف۔ چنانچہ آیت کو ختم بھی رحمت پر کیا ہے یعنی غفور رحیم پر، گویا اشارہ ہے اس طرف کہ اے بندو ہمارے احکام کو تنگ مت سمجھو، احکام میں کوئی تنگی نہیں ہے جہاں تنگی کا وہم ہے جیسے تحریم محرمات وہاں بھی رحم کی رعایت ہوتی ہے۔ بخدا میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ دین میں کوئی تنگی اور حرج نہیں ہے۔ میرا ایک وعظ ہے نفی الحرج وہ چھپ گیا ہے اس میں ثابت کردیا گیا ہے کہ دین میں تنگی بالکل نہیں ہے۔ کسی قسم کی رکاوٹ اس میں نہیں ہے۔ اُس کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ واقعی دین میں کوئی تنگی نہیں ہے۔

اشکال وجواب

اب ایک اشکال وارد ہوتا ہے اس کا جواب دے کر بیان کو ختم کرتا ہوں وہ یہ

(۱) ''میری رحمت میرے غضب پر غالب آگئی'' مسند الحمیدی: ۱۱۲۶۔

کہ میں نے تو کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت پر اپنے کلام کو ختم فرمایا ہے۔ چنانچہ تکمیل دین کے مضمون کو اس پر ختم کیا ہے کہ ہماری اتنی رحمت ہے کہ کبھی حرام کو بھی حلال کر دیتے ہیں اور غفور رحیم میں رحمت کی تصریح فرمادی مگر یہ ثابت ہے کہ سب سے آخری آیت قرآن کی یہ ہے وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۔یعنی ڈرو تم اس دن سے جس روز تم اللہ تعالیٰ کے پیشی میں لائے جاؤ گے، پھر ہر شخص کو اپنے کیے ہوئے کا پورا پورا بدلہ ملے گا اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا اور اس میں ظاہر ہے کہ وعید کا مضمون ہے سو اس سے تو ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو وعید پر ختم کیا ہے۔

اور یہاں کلام کو وعید پر ختم کرنے کی ایک وجہ بھی علماء نے لکھی ہے کہ جو کلام آخر میں ہوتا ہے وہی نقش دل میں رہتا ہے اور اس کا اثر قلوب پر زیادہ رہتا ہے تو اس نقل میں اور میرے قول میں تعارض ہوگیا کیونکہ میں نے تو لکھا تھا کہ مضمون رحمت پر کلام ختم ہوا ہے اور اس نقل سے معلوم ہوا وعید پر ختم ہوا ہے۔ سو رفع اس تعارض کا یہ ہے کہ کلام تو رحمت ہی پر ختم ہوا ہے مگر اس مصلحت سے کہ اس رحمت پر نظر کر کے کوئی بالکل لاپروائی نہ کرنے لگے ذرا سی دھمکی بھی دے دی مطلب یہ ہے کہ ہمارے احکام میں تو بالکل تنگی نہیں، بہت آسان احکام ہیں لیکن اگر سہل سہل احکام پر بھی عمل نہ کرو گے تو تمہاری کم بختی آوے گی کہ اتنی تو تم پر رحمت کی کہ بالکل ہلکے ہلکے احکام نازل کئے پھر اگر اس میں بھی کاہلی برتو گے تو بس جان تباہی میں آجائے گی تو یہ آیت ہماری تقریر کے مخالف نہ ہوئی بلکہ اس سے رحمت کی اور تائید ہوگئی اس کی ایسی مثال ہے کہ بچہ کو سبق آسان بتلادیا اور اس کی یاد کی بھی آسان صورت بتلادی پھر اگر اس میں بھی وہ شوخی اور سستی کرے تو اس کے کان کھینچ لیے، تاکہ اس ڈر کے مارے سبق جلدی یاد کرلے اور پھر دس روپیہ انعام کے لے لے۔ اس صورت میں سبق تو اس کا بالکل آسان تھا مگر وہ لاپروائی سے یاد نہیں کرتا اس لیے تنبیہاً اس کے کان کھینچ لیے تاکہ اس کو یاد کرے تو یہ

گوشمالی بھی رحمت ہی کا اثر ہے۔ بہرحال تعارض نہ رہا۔ اب میں ختم کرتا ہوں۔

حاصل آیت

خلاصہ اس آیت کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نعمت اسلام کا کامل اور تام ہونا ذکر فرمایا ہے تاکہ اس نعمت پر متنبہ ہوکر اُس کا شکر بجالاویں اور شکر یہ ہے کہ اُس کے فضائل وبرکات خود بھی حاصل کریں اور دوسروں کو بھی اس سے بہرہ ور کریں۔ دوسروں کے سامنے بھی اس کے فضائل وبرکات بیان کریں، تبلیغ کریں اور دوسروں کی بھی اصلاح کریں، اُن کو ترغیب دیں ادھر متوجہ کریں، قرآن میں جہاں نماز، روزہ، زکوٰۃ کا حکم ہے وہاں امر بالمعروف کا بھی حکم ہے اس لیے امر بالمعروف بھی کریں مگر خوبصورتی کے ساتھ، کسی سے لڑے بھڑے نہیں اور جیسے نماز باوجود فرض ہونے کے کبھی کبھی کسی عذر کے ساقط ہوجاتی ہے جیسے حائض سے نماز ساقط ہوجاتی ہے اسی طرح یہاں بھی اعذار وقیود ہیں۔ اسی لیے میں نے کہا ہے کہ جو کچھ کرو علماء سے پوچھ کر کرو۔ وہ ہر ایک کے مناسب کام بتاویں گے، کسی کے تصنیف کا کام سپرد کردیں گے۔ کسی کو زبانی تبلیغ واشاعت کے لیے تجویز کریں گے۔ کسی کو مالی امداد کا مشورہ دیں گے۔ کسی کو دعا کا حکم کریں گے کہ تم دعاء ہی کرتے رہو، اور دعا کا کام تو سب ہی کرسکتے ہیں اور کام کرنے والے بھی اس میں شریک رہیں، اب دُعا کیجئے کہ خداوند کریم فہم سلیم عطا فرماویں اور ہم کو ظاہری وباطنی اصلاح کی توفیق بخشیں۔ آمین۔ (۱)

(۱) اللہ تعالیٰ تمام قارئین کو اس وعظ سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

خلیل احمد تھانوی
۶/۷/۲۰۲۰

أخبار الجامعة

محمد منیب صدیقی

ادارۃ أشرف التحقیق۔ جامعہ دار العلوم الاسلامیۃ۔ لاہور

۱۔ 10 اکتوبر 2020 کو کراچی میں ہونے والے المناک سانحہ (شیخ الحدیث ڈاکٹر مولانا عادل خانؒ کی شہادت) کے حوالہ سے جامعہ میں تعزیتی اجلاس منعقد ہوا جس میں مہتمم جامعہ ہذا جناب مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ العالی نے طلباء واساتذہ کرام سے خطاب فرمایا اور مولانا ڈاکٹر عادلؒ کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا۔ آخر میں استاذ الحدیث جامعہ ہذا جناب مولانا عبد الرحمن صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے دعاء مغفرت کروائی۔ ڈاکٹر عادلؒ اور آپکے والد گرامی مولانا سلیم اللہ خانؒ کا جامعہ دار العلوم الاسلامیہ سے دیرینہ اور بہت گہرا تعلق تھا، وقتاً فوقتاً اپنی قیمتی آراء و راہنمائی سے جامعہ کو مستفید فرماتے تھے۔ اللہ تعالی عالم اسلام کو اس عظیم حادثہ پر صبر عطا فرمائے اور امت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

۲۔ جامعہ کے تحقیقی کاموں میں ایک عظیم خدمت کا اضافہ ہوا ہے۔ امسال مولانا ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی دامت برکاتہم (نائب مہتمم جامعہ ہذا) نے بحمد اللہ تعالیٰ ''تواریخ اکابر'' کے عنوان سے ایک نایاب کتاب مرتب کی ہے جس میں تاریخ گوئی کے جملہ اصول وقواعد، تواریخ نکالنے کا طریقہ، تاریخ گوئی کی اقسام، اکابر علماء کی تواریخ وفات اور 100 سے زائد لوگوں کے حالات زندگی مع تواریخ وفات درج ہیں۔ اپنی نوعیت کی یہ واحد کتاب ہے جس میں اس صنف کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے، کتاب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے چند سطور میں اس کتاب کا تعارف کروانا تقریباً ناممکن ہے۔ طباعت کے مراحل مکمل کر کے بحمد اللہ منصۂ شہود پر آچکی ہے اصحاب ذوق ادارہ اشرف التحقیق جامعہ دار العلوم الاسلامیہ سے حاصل کر سکتے ہیں۔